ارشاد الغبی الی اسلام آباء النبی

مع

القول الجلی فی نجات عم النبی ابی العلی

# ایمانِ والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

# و نجاتِ ابوطالب رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد اور شفیق چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ
کے ایمان کے موضوع پر تحقیقی رسائل مع اکابر علمائے اُمت کی آراء کی روشنی میں

مؤلف: امام اہلسنت حضرت قاضی محمد برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

محرک:

علامہ سید عظمت حسین شاہ گیلانی ہزاروی

# ایمانِ والدینِ مصطفیٰ ﷺ و نجاتِ ابوطالبؑ

حق تصنیف باضابطہ محفوظ ہے

هُوَ الْمُسْتَعَانُ

# قول الجلی

فی

# نجات عم النبی ابی العلی

حسب فرمایش مولوی خدایار۔ نور احمد۔ نور محمد۔ فیض احمد صاحبان تاجران

کتب ملتان اندرون بوہڑ دروازہ

مؤلفہ

مولوی محمد برخوردار صاحب ملتانی مدرس اول انجمن اسلامیہ ملتان

مطبع ہاشمی میرٹھ میں چھپا

طبع اول جلد ... قیمت ۲ ؍



اعلان: یہ رسالہ۔ اور رسالہ ارشاد الغبی الی اسلام آباء النبی صلعم کل شہروں کے کتاب فروشوں سے مل سکتے ہیں ورنہ براہ راست اس احقر سے یا صاحبان فرمایش کی دوکان سے یا حافظ [illegible] صاحبان تاجران کتب ملتان سے منگالیں فقط العبد احقر محمد برخوردار مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ ملتان شہر۔

ارشاد الغبی اِلیٰ اِسلام آباء النّبِی
مع
القول الجلی فِی نجات عم النّبِی ابی العلیٰ

# ایمانِ والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
# و
# نجاتِ ابو طالب علیہ السلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباء واجداد اور شفیق چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کے موضوع پر تحقیقی رسائل مع اکابر علمائے اُمت کی آرا کی روشنی میں

مؤلف: امامِ اہلسنت حضرت قاضی محمد برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

محرک: علامہ سید عظمت حسین شاہ گیلانی ہزاروی

زاویہ پبلشرز
8-C دربار مارکیٹ - لاہور
voice: 042-37300642 - 042-37112954 - 042-37248657
Email:zaviapublishers@gmail.com

2015ء

بار اول............500

ہدیہ............[illegible]

ناشر............نجابت علی تارڑ

**﴿لیگل ایڈوائزرز﴾**

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

**﴿ملنے کے پتے﴾**

زاویہ پبلشرز | شوروم ظہور ہوٹل، دکان نمبر 2
داتا دربار مارکیٹ، لاہور
Email: zaviapublishers@gmail.com
042-37300642

| | |
|---|---|
| مکتبہ برکات المدینہ، کراچی | 021-34219324 |
| مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی | 021-32216464 |
| احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی | 051-5558320 |
| اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی | 051-5536111 |
| مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد | 022-2780547 |
| مکتبہ متینویہ، پرانی سبزی منڈی روڈ، بہاول پور | 0301-7728754 |
| نورانی ورائٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان | 0321-7387299 |
| مکتبہ بابا فرید چوک چشتی قبر پاکپتن شریف | 0301-7241723 |
| مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ | 0321-7083119 |
| اقرا بک سیلرز، فیصل آباد | 041-2626250 |
| مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد | 041-2631204 |
| مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد | 0333-7413467 |
| مکتبہ باب الاسلام، فیضان مدینہ، حیدر آباد | 0313-4812626 |
| مکتبہ حسان اینڈ پرفیومرز، پرانی سبزی منڈی کراچی | 0331-2476512 |
| رضا بک شاپ، میلاد فوارہ چوک، گجرات | 0300-6203667 |
| مکتبہ فریدیہ، ہائی سٹریٹ ساہیوال | 040-4226812 |

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| ❁ | مقدمہ | 9 |
| ❁ | ملا علی قاری کا مؤقف اور اس کی مضرتیں | 17 |
| ❁ | ملا علی قاری کی توبہ ورجوع | 18 |
| ❁ | والدین کریمین مصطفیٰ ﷺ کے مسلم اور ناجی ہونے کے قائل علماء | 19 |
| ❁ | نبی کریم ﷺ کو دی گئی تکالیف | 21 |
| ❁ | پہلا طریقہ | 25 |
| ❁ | ائمہ شوافع اور اشاعرہ کا مذہب | 25 |
| ❁ | ایک اُصولی قاعدہ | 25 |
| ❁ | دوسرا طریقہ | 26 |
| ❁ | اہل فترت کے بارے میں احادیث | 27 |
| ❁ | امام ابن حجر کی رائے | 27 |
| ❁ | اہل فترت کے بارے حافظ عماد الدین کا مؤقف | 27 |
| ❁ | علامہ ابن جریر کا مؤقف | 28 |
| ❁ | احادیث عدم پر مالکیہ کا نقطہ نظر | 29 |
| ❁ | امام بیضاوی کا مؤقف اور اس کی تردید | 29 |
| ❁ | نواب صدیق حسن کا مؤقف اور اس کی علمی گرفت | 30 |
| ❁ | تیسرا طریقہ | 32 |

| | | |
|---|---|---|
| ❁ | امام ابن جوزی متشدد ہیں | 32 |
| ❁ | امام ابن عابدین کی رائے | 34 |
| ❁ | چوتھا طریقہ | 34 |
| ❁ | عرب کا پہلا بُت پرست | 38 |
| ❁ | فقہ اکبر کی عبارت کی تحقیق | 40 |
| ❁ | ضمیمہ | 42 |
| ❁ | ایمان والدین کریمین پر تین مذاہب | 44 |
| ❁ | امام رازی کا مؤقف | 45 |
| ❁ | **قول الجلی فی نجات عم النبی ابی العلی** | 49 |
| ❁ | ایمان کا شرعی معنیٰ ومفہوم | 52 |
| ❁ | اسلام کا شرعی معنیٰ ومفہوم | 53 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کے اخفاء اسلام کی توجیہہ | 54 |
| ❁ | نطق بالشہادتین میں علماء کا اختلاف | 55 |
| ❁ | ایمان محض تصدیق ہے | 56 |
| ❁ | احادیث سے استدلال | 57 |
| ❁ | ایمان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا نام | 58 |
| ❁ | لفظ شہادتین میں علماء کا اختلاف | 59 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کی تصدیق قلبی پر دلائل | 60 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کی ایمان افروز وصیتیں | 60 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کا خطبہ | 62 |

| | | |
|---|---|---|
| ❁ | حضرت ابوطالب کی تصدیق رسالت محمدی ﷺ | 62 |
| ❁ | حضرت عبدالمطلب کا خواب | 65 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کی حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کو وصیت | 66 |
| ❁ | حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب کا توسل بالنبی ﷺ | 67 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کی حضور ﷺ سے محبت وشفقت | 68 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کی حمایت ونصرت | 69 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کے ایمان افروز اشعار | 71 |
| ❁ | حضور ﷺ حضرت ابوطالب کی شفاعت کریں گے | 74 |
| ❁ | عدم نجات ابی طالب پر احادیث کا تحقیقی جائزہ | 75 |
| ❁ | منکرین کی وجہ استدلال اور اس کی تردید | 75 |
| ❁ | شفاعت ابوطالب کے بارے میں احادیث | 76 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کے دخول نار کی توجیہ | 78 |
| ❁ | اقرار باللسان پر حضرت عباس کی شہادت | 78 |
| ❁ | صاحب دُرِمختار کا فتویٰ | 79 |
| ❁ | عدم نجات ابی طالب پر آیات کا تحقیقی جائزہ | 79 |
| ❁ | آیت مذکورہ کا شان نزول | 81 |
| ❁ | **اکابر علمائے اُمت کی آراء** | 91 |
| ❁ | ''شرح خصائص علی'' سے اقتباس | 93 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کی تکفین وتدفین پر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں | 95 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کے متعلق اہلِ اسلام کی آراء | 96 |

| | | |
|---|---|---|
| ❁ | حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا قلباً مومن ہونا | 97 |
| ❁ | آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسولِ برحق تسلیم کرنا | 101 |
| ❁ | اللہ تعالیٰ کو "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" ماننا | 102 |
| ❁ | دنیاوآخرت کی کامیابی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ہے.(ارشادِ ابوطالب رضی اللہ عنہ) | 102 |
| ❁ | حضرت ابوطالب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ الٰہی میں التجا | 103 |
| ❁ | حضرت ابوطالب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں شفاعت | 104 |
| ❁ | قرآن کی آیت اور بخاری کی حدیث میں مطابقت کی صورت | 105 |
| ❁ | حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مراۃ شرح مشکوٰۃ | 107 |
| ❁ | خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ | 107 |
| ❁ | وفاتِ ابوطالب | 112 |
| ❁ | ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ | 112 |
| ❁ | حضرت ابوطالب کا ایمان | 118 |
| ❁ | ملک المدرسین حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی کی تحقیق | 124 |
| ❁ | حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کا فرمان | 129 |
| ❁ | کلمہ اعلانیہ نہ پڑھنے کی وجہ | 133 |
| ❁ | مبحث ایمانِ آباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | 138 |
| ❁ | مولانا شبلی نعمانی کا مؤقف | 155 |
| ❁ | دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا نظریہ | 156 |
| ❁ | گلہائے عقیدت | 157 |
| ❁ | حضرت ابوطالب | 159 |

# مقدمہ

## علامہ محمد کامران نقشبندی

از فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

عمدۃ الفضلاء رئیس المتکلمین امام اہلسنت قاضی محمد برخوردار ملتانی قدس سرہ النورانی کی علمی وجاہت اور تحقیقی مقام ومرتبہ کی شناخت کیلئے ان کی تصانیف بالخصوص نبراس شرح شرح عقائد کے مفصل حاشیہ القسطاس کا مطالعہ کیا جائے تو اہل بصیرت کے لئے اس میں بہت کچھ موجود ہے ان کی تحریر کی ہر ہر سطر بتا دیتی ہے کہ قاضی صاحب علوم عقلیہ اور نقلیہ پر بیک وقت دسترس رکھتے ہیں اور علم ظاہر کے ساتھ ساتھ قادر مطلق نے انہیں باطنی کمالات سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید گیلانی رضی اللہ عنہ (مرشد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کے آستانہ فیض سے نسبت ارادت رکھنے کی وجہ سے قاضی صاحب کو غوث الثقلین سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے والہانہ عقیدت ہے۔ جس کا اظہار ان کی بلند پایہ تصنیف ''غوثِ اعظم'' کے مضامین سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عذرا شوذب نے اپنی تصنیف ''ملتان میں اردو نثر کا آغاز و ارتقاء'' میں قاضی برخوردار ملتانی علیہ الرحمہ کی تصنیف ''غوثِ اعظم'' پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ 432 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں حضور غوثِ پاک کے والد بزرگوار سے لے کر حضرت امام حسن مولا علی اور جناب ابوطالب تک تمام آباواجداد کا تذکرہ موجود ہے۔ ابتداء میں

حضور نبی کریم ﷺ کی مستند سیرت اور حضرت جناب ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور سوانح بھی تحریر فرمائے ہیں۔ کتاب ''غوث اعظم'' 27 مارچ 1915ء، ۱۰ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ صابریہ کتب خانہ ملتان سے چھپی تھی۔

قاضی صاحب کے آباء واجداد سرحد سے ہجرت کر کے ملتان آئے تھے، آپ کا تعلق قوم افغان کے نادر قبیلہ سے تھا۔

قاضی صاحب اردو عربی فارسی پشتو پنجابی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ اپنے شیخ و مرشد حضرت سید صدرالدین گیلانی قادری علیہ الرحمہ کے ساتھ مختلف دوروں پر ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

ڈاکٹر شوذب رقم طراز ہیں: قاضی برخوردار، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے خانوادے کے ایسے مؤدب اور مہذب مرید نظر آتے ہیں جو اپنے مرشد سے بے پناہ ارادت وعقیدت رکھتا ہے۔ اسی لئے ان کی تصانیف میں عربی اور فارسی کے اثرات کے علاوہ تصوف کی ایک باطنی لہر بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

(ملتان میں اردو نثر کا آغاز وارتقاء، ص ۱۵۰، مطبوعہ بزم ثقافت ملتان)

کتاب غوثِ اعظم کے مقدمہ میں قاضی صاحب خود لکھتے ہیں ''میرے دو رسالے ارشاد الغبی الی اسلام آباء النبی، اور القول الجلی فی نجات عم النبی ابی العلی، اہل ایمان کے دلوں کو مسرور اور دماغوں کو معطر کر چکے ہیں''۔ (ص ۳)

سید محمد اولاد علی گیلانی نے بھی مرقع ملتان میں ص ۵۵۷ سے ۵۵۹ تک ملا برخوردار ملتانی کا ذکر کیا ہے۔

## حاشیہ نبراس

قاضی برخوردار ملتانی کی سب سے مشہور تصنیف "حاشیہ نبراس" ہے. علامہ تفتازانی کی مشہور تصنیف "شرح عقائد" درس نظامی میں شامل ہے اور عقائد پر انتہائی اہم کتاب ہے. علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے شرح عقائد کی شرح .نبراس تحریر فرمائی. حضرت قاضی برخوردار ملتانی نے نبراس کی شرح کے طور پر مفصل حاشیہ لکھا ہے۔ جسے عرصہ دراز کے بعد بندیال شریف سے حضرت استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمہ نے شائع کروایا۔ اس کے بعد الحمدللہ یہ مبسوط حاشیہ نبراس کوئٹہ اور پشاور سے متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ افغانستان اور سرحد میں اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور پاک وہند کے مدارس کے مدرسین بھی شرح عقائد پڑھاتے وقت اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

### نوٹ:

اہلِ تحقیق کے لئے قاضی صاحب کی شخصیت کا یہ پہلو قابلِ تقلید ہے کہ آپ نے صاحب نبراس سے متعدد مقامات پر اختلاف کیا ہے لیکن تہذیب اور آداب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ صاحب نبراس کا ذکر انتہائی عقیدت واحترام سے کرتے ہیں اور ان القابات سے ان کا ذکر فرماتے ہیں:

الحافظ العلامه الحبر الفهامة حامل لواء الشريعة محقق المسائل الاعتقادية صاحب التصانيف الجليلة محدث ومفسر حاوى للمعقول والمنقول ماهر للفروع والاصول۔ (حاشیہ نبراس ص ۲)

آج کل تو یہ رجحان ہے کہ کسی سے تھوڑا سا اختلاف ہو جائے اس کیلئے سب وشتم کی راہ اختیار کر لی جاتی ہے اور اتفاق واتحاد کی سب راہیں مسدود کر دی جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ان نفوس قدسیہ پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی اور اس امت کیلئے اتنے علمی ذخیرے فراہم کئے۔آمین۔

حضرت قاضی برخوردار ملتانی نے حاشیہ نبراس شرح شرح عقائد میں بعض مقامات پر حضور ﷺ کے آبائے طاہرین اور چچا جناب ابوطالب کے ایمان پر دلائل قائم کرتے ہوئے اپنے ان دو رسالوں کا ذکر فرمایا ہے۔ہم دو مقامات سے یہاں نقول پیش کر رہے ہیں:

قلت اشار العصام الی حدیث لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات وافھم ایضاً ان آباء النبی ﷺ وامھاته الیٰ آدم و حوالیس فیھم کافر لان الکافر لا یوصف بانه طاھر وبه ظھر ایمان ابی طالب عمه لانه قال آخر ما کلمھم ای اباجھل وغیرہ فھو علیٰ ملة عبدالمطلب کما فی البخاری وعبدالمطلب کان علی التوحید وھو الحق کما اقربه السیوطی والسبکی والشعرانی والقرطبی واھل الکشف و یدل علیه قوله علیہ السلام تنفعه شفاعتی مع قوله تعالیٰ ولاتنفعھم شفاعة الشافعین وقال علیہ السلام شفاعتی لاھل الکبائر من امتی و فی ھٰذ المسئلة وفی

اسلام آباء النبی رسالتان الاولی مسمی بقول الجلی فی نجات عم النبی و ابی العلی والثانیة ارشادالغبی الی اسلام آباء النبی وفیهما تحقیق عجیب۔ (حاشیہ نمبر اس ص ۱۹۴ حاشیہ نمبر ۲)

اس عبارت میں قاضی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے ارحام میں منتقل ہوتا رہا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے والدین کریمین سے سیدنا آدم وحوا علیہما السلام تک کوئی بھی کافر نہیں گزرا۔ اس لئے کہ کافر کو پاک نہیں کہا جاسکتا اور حضور کے تمام آباء و امہات پاک تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ حضور کے چچا حضرت ابوطالب مومن تھے کیونکہ انہوں نے آخری وقت ابوجہل اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور عبدالمطلب تو دین توحید پر تھے۔ گویا ابوطالب نے فرما دیا کہ میرا وہی ایمان ہے جو عبدالمطلب کا ایمان تھا، میرا وہی عقیدہ ہے جو عبدالمطلب کا تھا۔ اور یہی مذہب حق ہے جیسا کہ امام سیوطی، امام سبکی، امام شعرانی، امام قرطبی اور اہلِ کشف اولیاء اللہ نے اس کا اقرار کیا ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے آیت قرآنی اور حدیث نبوی سے حضرت ابوطالب کے ایمان پر دلیل دی ہے کہ بخاری کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابوطالب کو میری شفاعت نے فائدہ پہنچایا ہے اور قرآن حکیم میں ہے کہ کافروں کو شفاعت فائدہ نہیں دے سکتی لہٰذا جس کیلئے شفاعت کا نفع ثابت ہوگا اس کا ایمان بھی ثابت ہوجائے گا۔ دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے ان گنہگاروں کیلئے ہوگی جو بڑے بڑے گناہ کرنے والے ہیں اس

سے بھی معلوم ہوا کہ کافروں کیلئے شفاعت نہیں ہے۔ جس کیلئے نبی کی شفاعت ہوگی وہ مومن ہے۔ آخر میں قاضی صاحب نے اپنے دو رسالوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۲) دوسرے مقام پر قاضی صاحب پھر اس مسئلے کی وضاحت فرماتے ہیں:

قوله كان يحب النبي وكل من كان يحب النبي فهومومن فينتج انه كان مومناً وهوالحق الصريح كمااقربه السيد محمد بن رسول برزنجي والشعراني والقرطبي وكثيرمن الاولياء واوّل من اعترف به جميع اهل البيت عليهم السلام كما في جامع الاصول ومعارج النبوت واليه يميل الشيخ الدهلوي كمايفهم من مدارج النبوت وفي تاريخ ابن هشام انه آمن وعمدة الرسائل في هذالمسئلة اسنى المطالب في نجات ابي طالب وقول الجلي في نجات عم النبي ابي العلي، الاولى في لسان العربية والثانيه في الهندية فتدبر۔ (حاشیہ نمبر اس ص ۵۲۸ حاشیہ نمبر ۷)

یعنی حضرت ابوطالب حضور نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے تھے اور جو شخص بھی حضور نبی کریم ﷺ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ حضور کے صدقے اسے ایمان کی دولت عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابوطالب پکے مومن تھے اور یہی حق مذہب ہے جیسا کہ سید محمد بن عبدالرسول برزنجی نے اپنی تصنیف بغیۃ الطالب میں اور امام ذینی دحلان مکی نے اسنی المطالب میں ثابت فرمایا ہے، اسی طرح امام شعرانی امام قرطبی اور کثیر تعداد

ہیں اولیاء کرام حضرت ابوطالب کو مومن سمجھتے تھے۔ ایمان ابوطالب کا اعتراف سب سے پہلے اہل بیت اطہار کے افراد نے کیا جیسا کہ امام ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں لکھا۔ اہل بیت ابوطالب کے ایمان کے قائل تھے۔ معارج النبوۃ میں بھی یہ بات مذکور ہے۔ مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا جھکاؤ بھی حضرت ابوطالب کے ایمان کی طرف ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں بھی ہے کہ حضرت ابوطالب ایمان لے آئے تھے۔ اس مسئلہ میں عمدہ رسالے دو ہیں ایک شیخ احمد بن دحلان مکی کا عربی میں القول الجلی۔ (اردو زبان میں)

اس کے متصل حاشیہ نمبر ۸ میں قاضی صاحب نے ان دلائل کا ذکر کیا ہے جو تفصیل کے ساتھ القول الجلی میں بیان فرمائے ہیں۔

اس کتاب کے آخر میں متاخرین علماء ومشائخ میں سے چند معتبر شخصیات کی آراء بھی نقل کی جا رہی ہیں۔ بالخصوص حضرت خواجہ شیخ الاسلام قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ، حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ نے حضرت ابوطالب کی بارگاہ میں جو نذرِ عقیدت پیش فرمائی ہے اس میں اہل علم وبصیرت کیلئے کافی مواد موجود ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی نے دیوبندی عالم سرفراز صفدر گکھڑوی کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جو محتاط انداز اختیار فرمایا ہے وہ انتہائی لائق تحسین ہے، آپ نے اختلافی نوعیت بھی بیان فرمائی اور جو لوگ اس مسئلے میں سخت رویہ اختیار کرتے ہیں انہیں نصیحت بھی فرمائی کہ شدت کے ساتھ ایمان کا انکار کرنا اور بحث وتمحیص کرنا اپنے ایمان کے لئے باعث خطرہ ہے۔ نیز یہ علمی نکتہ بھی بیان فرمایا کہ اخبار واحدہ سے کسی کا کفر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اپنی ساری توانائیاں حضرت ابوطالب کے خلاف استعمال کرنے والے اپنے ایمان کی فکر کریں کیونکہ حضور ﷺ کے اس

عظیم محسن اور مہربان چچا کے خلاف جب باتیں کی جاتی ہیں تو اس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوبوں کے طفیل ہمارے ایمان وایقان کی حفاظت فرمائے۔

محمد کامران نقشبندی
فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

یہ دونوں کتابیں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی حمید اللہ لائبریری انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں موجود ہیں، وہاں سے ان کی فوٹو کاپی حاصل کی گئی ہے۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ ربّ العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی ھو رحمۃ للعلمین وعلی اٰلہ الذین کانوا فی دین اللہ جاھدین۔

امابعد! فقیر حقیر محمد برخوردار ملتانی بخدمت برادران ایمانی وشیفتگان حبیب یزدانی عرض پرداز ہے کہ گو مسئلہ اسلام والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیان علماء اہل سنت کس قدر مختلف رہا اور احادیث بھی اس مسئلہ میں ایسے پیرایہ میں آئے کہ ظاہر بینوں یا کم نظروں کو (گو بعض اہل کمال بھی اس دھوکہ میں آ گئے) چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقعہ ملا تاہم یہ کون کہہ سکتا ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے کہ جن پر حدیث وروایت کا مدار ہے ان کم نظروں کو گھر تک نہیں پہنچایا اِن بزرگوں کے مقابلہ میں ان کی شہادتیں کچھ بھی قابل اعتبار یا وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات ونفی میں برابر درجہ کی شہادتیں ہوں تو اثبات کو ترجیح ہوگی۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین شریفین کے ثبوت اسلام کے مقابلہ میں عدم ثبوت کی شہادتیں بالکل کم رتبہ ہیں بلکہ کوئی حدیث صریح کفر کے بارہ میں نہیں آئی چہ جائے کہ مساوات۔

## ملا علی قاری کا مؤقف اور اس کی مضرتیں

ملا علی قاری سے تعجب ہے کہ وہ بھی اس غلطی کے حامی ہوئے اور جرأت کر کے تین رسالے حضرت کے والدین کی تکفیر میں لکھے لیکن ازروئے انصاف یہ ہے کہ قاری صاحب اس دعوے کو پایہ ثبوت تک نہیں پہنچا سکے اور ضرور تھا کہ نہ پہنچا سکتے اور

بسبب اس بے ادبی کے جو جو مضرتیں علامہ قاری کو پہنچیں وہ کتب قوم میں مسطور اور البتہ عوام پر مشہور ہیں۔ حافظ عبدالعزیز پرہاروی تحریر کرتے ہیں کہ جب قاری صاحب نے شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ﷺ کے والدین کی تکفیر میں رسالہ لکھا اور رات کو اس نیت سے سویا کہ صبح اسے مشتہر کروں گا۔ تو صبح اُٹھتے ہی سیڑھی سے پاؤں پھسلا اور ٹانگ ٹوٹ گئی اور اسی شب کو علی قاری کو شیخ ابن حجر ہیتمی صاحب مواہب نے خواب میں دیکھا کہ علی قاری کی ٹانگ بسبب کسی جرات سیئہ کے گزند رسیدہ ہوئی انتہیٰ مختصراً۔ افسوس ہے کہ علامہ صاحب باوجود اس تنبیہہ کے باز نہ آئے اور اپنے ملکی جوش کو مغلوب نہ کرسکے۔ محمد بن فضل اللہ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر میں لکھتے ہیں کہ ملا قاری نے ایک رسالہ مشتمل براساءت ادب والدین آنحضرت لکھا۔ اگر یہ رسالہ نہ لکھا جاتا تو علامہ کی تالیفات وتصنیفات سے دنیا مملو ہو جاتی۔

فقیہہ محمد بن مرعشی، علی قاری کے حق میں یوں نگارش کرتے ہیں کہ اس سے تعجب ہے کہ حضرت کے والدین کی تکفیر میں ممل اور قافیہ وار کلام بنا کر ایک رسالہ لکھا شاید ملک (ہرات) کی سردی نے اس کے سر میں اثر کیا جس سے اُس کی عقل پریشان اور مختل ہوگئی۔ (تنبیہ الضلول)

تاج المکلل میں لکھا ہے کہ بہت سے علماء و اولیاء نے قاری کی کتب کے مطالعہ تک کا کرنا منع کر دیا ہے کیونکہ اُس نے بسبب تعصب کے بہت سے ائمہ پر طعن کیا ہے۔

## ملا علی قاری کی توبہ ورجوع

مولی عبدالحئ لکھنوی نے مقدمہ تعلیق الممجد میں اس طرح خبر دی ہے کہ علی قاری کی کتابیں مفید ہیں اگر بعض کتابوں میں تعصب نہ کرتا تو بہت ہی فائدہ

مند ہوتیں۔قول مستحسن میں اس کی بری طرح خبر لی ہے۔

مگر آخر کار یہ بھی لکھا ہے کہ

یقال انه تاب فی آخر عمره۔

یعنی کہا گیا ہے کہ اخیر عمر میں توبہ کے ساتھ ممتاز ہوا تھا۔

## والدین کریمین مصطفیٰ ﷺ کے مسلم اور ناجی ہونے کے قائل علماء

جو علماء حضرت کے والدین کے اسلام اور ناجی ہونے کے قائل ہیں ان میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی (صاحب فتح الباری)، ابن حجر ہیتمی، امام رازی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام قرطبی، امام غزالی، علامہ صلاح الدین، محب الدین طبری، علامہ زرقانی، حافظ عبدالعزیز پرہاروی، محمد بن فضل اللہ، علامہ سیوطی وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

علامہ سیوطی نے تو اس مسئلہ میں لگاتار چھ رسالے تحریر کئے ہیں جن میں سے بعض مطبوع ہو کر مفید خلائق ہوئے۔مگر بسبب عربی ہونے کے عوام بچارے اُن سے مستفید نہ ہو سکے، لہٰذا مجھے بعض احبہ نے یہ تحریک دلائی کہ اگر اُن رسائل کے مضامین کا خلاصہ زبان اُردو میں کر دیا جائے تو علاوہ اس امر کے کہ عوام فائدہ مند ہوں عاقبت کے لئے نہایت عمدہ ذخیرہ ہوگا، مجھے اس کی ضرورت پہلے بھی معلوم ہو چکی تھی ایک دن اتفاقاً میں ایسے مجمع میں پہنچا جو کچھ بحث مسائل کر رہے تھے اچانک وہ بحث مرحلہ طے کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی کہ آیا والدین آنحضرت ﷺ مومن ہیں یا کافر؟ ناجی ہیں یا ناری؟ اس مجمع کے اکثر آدمی تو دنگ ہو گئے کہ یہ کیا مسئلہ ہے کہ بے موقع محل (مؤذن بانگ بے ہنگام برداشت) واقعہ ہوا ہے۔مگر ایک شوخ چشم جو بیباکی میں تمام حاضرین

پر سبقت رکھتا تھا جھنجلا کر بولا کہ والدین آنحضرت ﷺ (معاذ اللہ) کافر ہیں نہ ناجی اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ احادیث میں اسی طرح آیا ہے۔

اس کلام کے سنتے ہی نہ صرف میرے بلکہ ہر ایک مسلمان کے جو وہاں موجود تھے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ضرور ہے کہ ہر ایک مسلم کے جو ذرا بھی اس رحمۃ للعالمین بشیر، نذیر، خاتم النبیین، خیر البشر، نبی الامین سے محبت رکھتا ہو گا رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہوں گے کیونکہ ایسا نبی جس کی تعریف کرنے میں بجز جل وعلا تمام جن وانس قاصر ہوں اور اسی مصرعہ پر کفایت کریں کہ خدا سے پوچھئے شانِ محمد ﷺ اور ایسا رسول جس کی ذاتِ پاک میں کل اوصاف حمیدہ جمع ہوں جو فرداً فرداً گذشتہ انبیاء ورسل میں پائے جاتے تھے۔ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ خدا کی صفت بے نظیری کا نبی الامی بے نظیر ظہور ہے۔ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور خداوند کریم تو ندا میں نام تک لینے کا روادار نہ ہو بلکہ یٰسٓ، یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول کے خطاب سے عزت بخشے اور سورۂ حجرات میں ایمانداروں کو بھی یہ حکم دے کہ اے مومنو اپنے آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور اس سے یہ کہہ کر نہ بولو جیسے آپس میں بولا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اے میرے حبیب جو آپ کو حجرہ کے باہر سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر بیوقوف ہیں، الخ۔ افسوس ہے کہ ایک ادنیٰ آدمی ایسے نبی کے والدین کو کافر اور نبی کو کافر کا بیٹا قرار دے۔ الامان الامان۔

کبرت کلمة تخرج من افواههم وان یقولون الا کذبا۔

## نبی کریم ﷺ کو دی گئی تکالیف

مجھے اس موقعہ پر ایک حدیث یاد آئی ہے جس کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی حدیث: جناب سید المرسلین شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں:

ما اوذی احد مثل ما اوذیتُ۔

''یعنی جتنا میں ایذا دیا گیا ہوں کوئی ایذا نہیں دیا گیا۔''

دوسری حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔

''سب سے زیادہ تکالیف انبیاء پر آئی ہیں پھر ان کے قریب کو۔''

اگر حضرت کی ایذا کے مجموعہ کا شیرازہ ادھیڑ کر ناظرین کو دکھلایا جائے تو یقین ہے کہ مومنین سے بہت کم ایسے ہوں گے کہ جن کے صدور ان صدمات کے دیکھنے سے چور نہ ہو جائیں۔ بلکہ یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر انسان سلیم القلب حضرت کے اُن واقعات جانگداز کا ذکر کرے جو آپ کی ذات والاصفات سے تعلق رکھتے ہیں تو کیا ممکن ہے کہ قبل از اختتام اُس کا سینہ پھٹ نہ جائے اور قلم چیخ چیخ کر رُک نہ رہے۔ اجمال کے طور پر کچھ اشارہ کیا جاتا ہے جس سے ہر عاقل سمجھ لے گا کہ حدیث مذکور کہاں تک وسعت رکھتی ہے اور ساتھ ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ انی اوتیت جوامع الکلم کی کیا مقدار ہے۔ آنجناب کو جو تکالیف اور ایذائیں پہنچیں وہ دو پہلو رکھتی ہیں یعنی بعض تکالیف وہ ہیں جو کفار نابنجار سے وقوع میں آئیں مثلاً انکار نبوت کے علاوہ حضرت کو (معاذاللہ) شاعر، ساحر، کذاب، مفتری وغیرہ وغیرہ کہنا۔ ناتا وغیرہ سے بندش حتیٰ کہ ہجرت تک نوبت آئی۔

همسایه چون بسوختن ما رضا نداد

رفتیم در محله بیگانه سوختیم

بازار کالین دین بند۔ جادو کرنا۔ قتل کے مشورے۔ حضرت کے متعلقین اور حاشیہ نشینوں کو طرح طرح کے ایذا دینے بعضوں کو چومیخا کرنا۔ بعضوں کو دھوپ میں جلانا۔ بعضوں کو چابک چھڑی سے پیٹنا۔ صابی، سفیہ کے لقب سے اُن کو یاد کرنا۔

دوسری وہ تکلیفیں ہیں جو اہل اسلام سے صادر ہوئیں جن کا ذکر کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ باوجود دعاوی اسلام کفار کے بھی کان کاٹ ڈالے بے سوچے یہ شعر یاد آتا ہے۔

گر مسلمانی همیں ست که حافظ دارد

آه اگر از پے امروز بود فرد اے

مثلاً حضرت کے خاتم النبیین ہونے کا انکار، عصمت النبی میں قسم قسم کے خدشے، کذب علی الرسول، مسجد نبوی کی ہتک۔ مدینہ عالیہ میں زنا کی عام اجازت حتیٰ کہ سینکڑوں کنواری عورتوں کی بکارتیں توڑی گئیں، ہزار عورت کو زنا کا حمل ہوا۔

(جذب القلوب، حدیث الغاشیہ تسلیۃ المصاب)

نواسہ نبی شہزادہ امام حسین علیہ السلام کا تو ایک ایسا جانکاہ واقعہ ہے کہ جس کی نظیر آدم علیہ السلام سے لے کر تادم حال نہیں ملتی۔ مگر اہل نبوت کا کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ جس کا تذکرہ بغیر آبدیدہ اور آہ سرد کھینچنے کے کیا جائے۔ شاہزادہ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ سے جو تکلیف حضرت کو پہنچی اس حدیث سے عیاں ہے جو تاریخ الخلفاء میں بروایت ابن عباس بیہقی کی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زوال کے وقت دیکھا کہ آپ کے بال بکھرے اور غبار آلودہ تھے اور ہاتھ مبارک میں ایک شیشہ (بوتل) تھا جو خون سے بھرا ہوا تھا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں

باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا خون ہے؟ جواب میں فرمایا کہ یہ امام حسین اور اس کے ہمراہیوں کا خون ہے آج صبح سے اکٹھا کر رہا ہوں. ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے وہ دن یاد رکھا پھر تحقیق کی تو وہی دن امام شہید کی شہادت کا تھا۔ القصہ حضرت کو انواع واقسام کی تکلیفیں دی گئیں یہاں تک نوبت آئی کہ حضرت کے والدین کی تکفیر میں رسالے لکھے گئے خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ جس دن سے مبعوث ہوئے تا آخر حیات سارا زمانہ تحمل اذی ومحن میں گزرا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

پھر حجاج ظالم کے جور و جفا پر نظر کی جائے تو اس سے بھی سر کنڈے کھڑے ہوتے ہیں اُس نے بھی حضرت کے صحابہ اہل بیت علماء فضلا کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ امام شعرانی نے لکھا ہے کہ اُن بزرگان دین کی تعداد جنہیں حجاج نے تہ تیغ کیا ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا ہے کہ اگر تمام پیغمبروں کی اُمتیں مل کر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو (گو حجاج ظلم میں یزید سے کم تر تھا) تو واللہ ہمارا پلہ بھاری نکلے گا۔ (سیرۃ النعمان)۔ بیت

اگر جملہ را سعدی انشا کند
مگر دفترے دیگر املا کند

اسی لئے حجاج نہیں بلکہ یزید و ابن زیاد بلکہ تمام ظالمین اکثر اہل علم کے نزدیک مستحق لعنت ٹھہرے۔

که کرد در همه عالم کمان ظلم بزد
که تیر لعنت جاوید را نشانه نشد

جب یہ معلوم ہوا کہ انبیاء واہل بیت صحابہ ہمیشہ ہدف تیر بلا رہے ہیں اور کبھی مصیبت میں مضطر و مضطرب ہو کر انہوں نے دامن صبر کو ہاتھ سے نہیں دیا اور اجر بے

حساب شکیبائی کو جزع فزع سے برباد نہیں کیا تو ہمیں بھی ضروری اور لازمی ہے کہ انقلاب زمانہ سے کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں اور بفحوائے:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ (یوسف:۸۶)

"تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔"

اپنے رب غفور کے آگے لب ہلائیں اور سر جھکائیں۔

کیونکہ یہ بات ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ عیش کو بقا ہے نہ طیش کو استواری۔ نہ خوشی کو قیام ہے نہ اندوہ کو مقام پھر مصائب میں واویلا کرنا ہر کس و ناکس کے آگے مارا مارا پھرنا اور رکہہ و مہ سے فریاد رسی چاہنا بجز اس کے کیا ہوگا کہ عاقبت کی بربادی اور مصائب کی مضاعفت ہو۔ رباعی

از دهر جفا پیشه وفائے نتواں یافت
و ز گردش ایام صفائے نتواں یافت
زخم دل مجروح جگر سو خستگاں را
سازنده تر از صبر دوائے نتواں یافت

کجا بود اشہب کجا تاختم۔

چونکہ میرا دل دُکھا تھا اور بعض احبہ سے بھی درخواست ہوئی کہ سیوطی وغیرہ کے مضامین کا خلاصہ مسئلہ والدین آنحضرت میں اُردو کیا جائے (جیسے گذرا) ناچار باوجود بے بضاعتی کے میں نے یہ رسالہ لکھا اور نام اس کا ارشاد الغبی رکھا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے چھ رسالے حضرت کے والدین کے ثبوت اسلام میں لکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ناجی ہیں اور آخرت کو بہشت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ ہاں اس امر میں ائمہ باہم

مختلف ہیں کہ وجہ نجات کیا ہے اس کے چند طرق ہیں۔

## پہلا طریقہ

یہ ہے کہ حضرت کے والدین جاہلیت کے ایسے تاریک زمانہ میں پیدا ہوئے کہ تمام زمین کے طبقوں پر جہل چھا گیا تھا اور کوئی اللہ کا پیغام پہنچانے والا روئے زمین پر نہ تھا جو انہیں تبلیغ کرتا۔ علاوہ براں یہ دونوں بزرگ بہت چھوٹی چھوٹی عمر میں جان بحق ہوئے۔ حافظ صلاح الدین لکھتے ہیں کہ حضرت کا والد ماجد اٹھارہ (۱۸) برس کی عمر میں اور والدہ ماجدہ قبل از (۲۰) سال رحلت گزیں ہوئے۔

ایسی چھوٹی عمر میں باوجود ظلمت زمانہ اور عدم وجود مبلغ رشد حاصل کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر ایک انسان جسے دعوت الٰہی نہ پہنچی ہو شرع شریف سے اس کے لئے یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ یہ ناجی ہے اور بغیر عذاب ونکال بہشت میں داخل ہوگا۔

## ائمہ شوافع اور اشاعرہ کا مذہب

تمام اشاعرہ شوافع کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعی خود بنفس نفیس اسی کے مصرح ہیں اور قرآن شریف کے بھی چند آیات اسی طریقہ کے مثبت ہیں۔

از انجملہ یہ آیت ہے، اور خداوند جل وعلا فرماتے ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (الاسراء:۱۵)

''کسی کو عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیجیں۔''

## ایک اُصولی قاعدہ

یہ مسئلہ فقہی ہے جو کتب فقہ میں مسطور ہے اور اس اصولی قاعدہ کی فرعوں میں سے ایک فرع ہے جس پر ہمارے اشعری امام متفق ہیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ شکر منعم کا سمعاً واجب ہے نہ عقلاً اور یہ قاعدہ علم کلام کے اس قاعدے کی طرف رجوع کرتا ہے

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حُسن و قبح اشیاء عقلی ہے لیکن اشاعرہ کے جمیع ائمہ اس کے انکار پر متفق ہیں یعنی حسن و قبح اشیاء کا ان کے نزدیک شرعی ہے نہ عقلی چنانچہ کتب کلام و اصول میں ثبت ہے۔ حضرات ائمہ نے ان دونوں قاعدوں کے بیان کرنے اور ان پر دلائل قائم کرنے اور ساتھ ہی مخالفین کی حجتیں باطل کرنے میں بہت ہی طوالت کی ہے۔ خصوصاً امام الحرمین غزالی. فخر الدین رازی. ابن سمعانی. قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہم نے تو کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مخالفین کی جس طرح خبر لینی چاہیئے تھی لی۔ اور یہ قاعدہ کہ جسے دعوت الٰہی نہیں پہنچی اصول کے دوسرے قاعدہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ غافل مکلف نہیں اور اصول میں اس کی تصویب بھی ہو چکی ہے۔ دلیل اس کی قول رب العالمین ہے:

ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾ (الانعام:۱۳۱)

”یہ اس واسطے کہ نہیں ہے پروردگار تیرا ہلاک کرنے والا بستیوں کا ساتھ ظلم کے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔“

ائمہ مذکورہ اس امر پر متفق ہیں کہ جسے دعوتِ الٰہی نہیں پہنچی وہ بیشک جنتی ہے مگر الفاظ اور طرز کلام میں کس قدر ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں بعضے کہتے ہیں کہ وہ ناجی ہے۔ بعض تحریر کرتے ہیں کہ وہ فطرت پر ہے بعضے اُسے مسلمان کہتے ہیں۔ اور بعضے یوں فرماتے کہ وہ مسلمانوں کے حکم میں ہے۔

حضرت کے والدین شریفین بھی اسی میں شامل ہیں۔

## دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ حضرت کے والدین اہل فترت سے ہیں اور اہل فترت کے بارے

ہیں احادیث بایں طور وارد ہوئی ہیں کہ قیامت کے دن اُن کا امتحان ہوگا۔ یعنی چند احکام بتلائے جائیں گے جس نے اطاعت کی جنتی اور جس نے اطاعت نہ کی ناری ہوگا۔

## اہل فترت کے بارے میں احادیث

احادیث اس مسئلہ میں بکثرت موجود ہیں لیکن صحیح الاسناد تین حدیثیں ثابت ہوئی ہیں گو دوسری احادیث بھی کثرت طرق کے سبب سے حسن لغیرہ کا حکم رکھتی ہیں مضمون ہر ایک حدیث کا ملتا جلتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل فترت بے ہوشوں، بہروں، گونگوں اور اُن بوڑھوں کو جو مدرک اسلام نہیں ہوئے جمع کر کے ایک رسول اُن کی طرف بھیجے گا جو اس کی اطاعت سے مشرف ہوگا بہشت میں اور جس نے اطاعت نہ کی دوزخ میں داخل ہوگا۔

## امام ابن حجر کی رائے

حافظ العصر علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت کے تمام آباء واجداد سے جو فترت کے زمانوں میں انتقال کرتے رہے یہ اُمید ہے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوں گے تاکہ حضرت ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

## اہل فترت کے بارے حافظ عماد الدین کا مؤقف

حافظ عماد الدین یوں زیب قلم فرماتے ہیں کہ اہل فترت سے گو بعض لوگ امتحان میں ناکامیاب ہوں گے۔ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین بسبب شفاعت شفیع المذنبین ضرور ہی کامیاب ہوں گے۔ ابن تمام نے اپنے "فوائد" میں بسند ضعیف ابن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا میں قیامت کے دن اپنے

والدین کی شفاعت کروں گا۔ ابوسعید نے کتاب "شرف النبوۃ" میں عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ آنجناب نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے عرض کی کہ میرے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے اللہ تعالیٰ نے میری عرض قبول کی۔

## علامہ ابن جریر کا مؤقف

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ولسوف یعطیك ربك فترضی کی ذیل میں بروایت ابن عباس لکھا ہے کہ محمد ﷺ کی رضا میں سے یہ ہے کہ اس کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جو احادیث اس مطلب کے خلاف ہیں وہ منسوخ ہیں اور ان احادیث اور آیات مذکورہ سے وہ پہلے وارد ہوئی تھیں جیسے بہت احادیث مشرکین کی اولاد کے ناری ہونے کے بارے میں جناب نبوی سے صادر ہوئی ہیں۔ پھر آخرالامر یہ حکم رہا اس طرح قبل نزول آیت:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔

"کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔"

مُردے کو بسبب نوحہ کرنے اہل میت کے عذاب کا حکم تھا۔ اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ مجھے یونس ابن متی علیہ السلام سے اچھا نہ کہو اور یہ بھی حدیث مسلم میں ہے کہ آپ کو کسی نے خیر البریۃ کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خیر البریۃ ابراہیم ہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں تحریر کرتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ یہ خبریں ہیں اور اخبار میں نسخ نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ یہ خبریں اس طرح کی نہیں جن میں نسخ نہ ہو ورنہ یہ لازم آوے گا کہ ہمارے نبی بہت سے پیغمبروں سے کم رتبہ ہیں۔

وهو خرق الاجماع انتهى ملتقطًا۔

## احادیث عدم پر مالکیہ کا نقطۂ نظر

بعض مالکیہ نے طرز جواب میں یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ جو حدیثیں حضرت کے والدین کی عدم نجات پر دال ہیں وہ احاد ہیں آیات قطعیہ

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾ (الاسراء:۱۵)

''کسی کو عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیجیں۔''

اور فرمایا:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ (الانعام:۱۳۱)

''یہ اس واسطے کہ نہیں ہے پروردگار تیرا ہلاک کرنے والا بستیوں کا ساتھ ظلم کے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔''

کا مقابلہ و معارضہ نہیں کر سکتیں۔

## امام بیضاوی کا موقف اور اس کی تردید

باقی رہا بیضاوی کا یہ کہنا کہ آیہ "ولا تسئل عن اصحب الجحیم" حضرت کے والدین کے حق میں نازل ہوئی ہے غلط ہے۔ اول تو قاضی بیضاوی صاحب فن منقول میں بالکل کم رتبہ ہیں احادیث موضوعہ اور صحیحہ میں امتیاز کرنا نہیں جانتے۔ دوسرا اپنی تفسیر میں وہ غلط مسائل بیان کئے ہیں کہ جو اہل سنت کے خلاف ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس نے وہ بیجا مسائل لکھے ہیں جس سے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں۔ تیسرا خلاف دیگر مفسرین معتبرین ہے۔ بخاری جو اصح الکتب کے رتبہ سے ممتاز ہے اس کے خلاف بیان کرتا ہے۔ اخطب المفسرین ابومسعود افندی اپنی تفسیر میں بیضاوی کے خیال کی تردید کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ بیضاوی کا

اس آیہ شریف کو اس پر محمول کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کریم کو اس آیہ میں اپنے والدین کے استفسار حال سے منع فرمایا۔ بالکل نظم کلام کریم اس کی موافقت نہیں کرتی۔

## نواب صدیق حسن کا مؤقف اور اس کی علمی گرفت

نواب صدیق خاں سے تعجب ہے کہ انہوں نے باوجود دعوے حدیث و قرآن دانی کے لطائف البیان میں بیچارے علامہ سیوطی کی توہین کی اور ایک مرسل حدیث اور منقطع اثر سے یہ حکم دے دیا کہ یہ آیہ مذکورہ حضرت کے والدین کے حق میں نازل ہوئی اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ حضرت کے والدین کے ثبوت اسلام میں کوئی حدیث صحاح اور غیر صحاح میں نہیں اور علاوہ ازاں یہ اشارہ بھی کر دیا کہ حدیث صحیح تو بجائے خود ضعیف بھی نہیں پھر یہ بھی تحریر فرمایا کہ اُن کے کافر ہونے سے حضرت کو کونسا دھبہ لگتا ہے کہ اتنی طوم طراق کی جائے۔ انتھی ملتقطاً۔

میں کہتا ہوں افسوس ہے کہ نواب صاحب نے قلم ہاتھ میں لے کر جو چاہا لکھ دیا نہ کوئی روایت صحیح لکھی نہ درایت سے کام لیا۔ مفسرین معتبرین کی کلام سے بالکل موافقت نہ کرنی چاہی۔ ہاں باوجود غیر مقلد ہونے کے اس موقع پر بیضاوی (جو اس موقع میں بدمذہب زمخشری کا مقلد تھا کما فی حاشیۃ البیضاوی) کی تقلید کی۔

وجیز میں ہے کہ لوگوں کا یہ کہنا کہ آیت مذکورہ حضرت کے والدین کے حق میں نازل ہوئی بالکل بعید ہے کیونکہ یہ آیت اہل کتاب اور مشرکین کے فضیحتوں کے بیان کرنے کے درمیان میں ہے۔ (حاشیہ جامع البیان)

"سراج المنیر" میں ہے کہ جس حدیث سے آیت شریفہ کا نزول حضرت کے والدین کے حق میں بیان کرتے ہیں وہ بالکل ضعیف ہے۔ اور مختار یہ ہے کہ یہ

آیت اہل کتاب کے کافروں میں اتری۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر میں اس حدیث واثر کی نسبت جونزول آیت کا حضرت کے والدین کے حق میں بیان کرتی ہے تحریر کرتے ہیں کہ باوجود ارسال سند اسناد اینہا ہم ضعیف ست ومع ہذا باسیاق کلام چنداں مناسبت نیست۔ تفسیر حسینی میں نزول آیت کا یہود کو بتلایا ہے۔ "خلاصة التفاسیر" میں لکھا ہے کہ بعضوں نے جو کہا کہ آپ نے اپنے والدین کا حال دریافت کیا تو یہ ممانعت آئی وہ قابل التفات واعتماد نہیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ آیت کا نزول جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ کے والدین کے حق میں بتلایا گیا ہے نہ صحیح ہے اور نہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ اُس کا اپنا زعم ہے۔ اگر ہم اس کو صحیح مان بھی لیویں تاہم اُن کا کفر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مومن بھی کبھی بوجہ اکتساب معصیت اصحاب جحیم سے ہوسکتا ہے حتیٰ کہ کسی شافع کی شفاعت یا سوائے اس کے کوئی اور چیز اُسے پالے یا خود کتاب اس کی مدت تک پہنچ جائے جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے اس تقریر کے بعد حدیث لکھی ہے جس سے حضرت کے آباء کی خیریت ثابت ہوتی ہے پھر سیوطی کو داد دی ہے اور کہا ہے کہ اس نے مخالفین کو خوب ہی جواب دیئے ہیں بعد ازاں "فللہ الحمد" کہا ہے۔ میں بھی "فللہ الحمد" کہتا ہوں اور نواب صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت کے والدین کے ثبوت اسلام میں کوئی حدیث صحیح یا ضعیف نہیں آئی، ضعیف ہے کیونکہ اگر یہ فرمودہ اُن کا قبل از وفات والدین آنجناب صحیح مان لیا جائے تو اُن کا کافر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ "کل مولود یولد علی الفطرة" اس کے لئے کافی دلیل ہے۔

باقی شرک وکفر سے اُن کا آلودہ نہ ہونا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوة سے ثابت ہے۔ اگر بعد وفات محمول کیا جائے تو ایک جم غفیر کی مخالفت اور بداہت کا انکار لازم آتا ہے۔ کما ستقف انشاء اللہ تعالیٰ۔

باقی رہا نواب صاحب کا یہ قول کہ حضرت کے والدین کافر ہوں تو بھی حضرت کو کچھ دھبہ نہیں لگتا بالکل باطل ہے۔ کیونکہ نبی کا ہر ایک بات میں اُمت سے بہتر ہونا چاہیئے نہ یہ کہ معاذ اللہ ولد الکافرین ہونا۔ ابراہیم علیہ السلام پر قیاس کرنا بناء باطل علی الباطل ہے۔ کیونکہ ابراہیم کے باپ آذر نہیں تھے بلکہ آذر چچا تھے کمافی التفسیر الکبیر۔

## تیسرا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے والدین کو بعد از وفات زندہ کر کے ایمان سے مشرف فرمایا۔ بہت سے امام و حفاظ ِحدیث اس کے قائل ہیں احادیث بھی بہت ہیں جو اس کی مساعدت کرتی ہیں گو ان کے اسناد ضعاف ہیں مگر بوجہ کثرتِ طرق حسن لغیرہٖ کے رتبہ سے خارج نہیں۔

## امام ابن جوزی متشدد ہیں

ابن جوزی کا ان احادیث کو موضوع کہہ دینا ٹھیک نہ ہو گا کیونکہ وہ اس بارہ میں مطعون ہیں۔ حافظ ابن حجر علامہ سیوطی وغیرہم نے اپنی تصانیف میں ابن جوزی کو متشدد اور مفرط لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس بندہ خدا نے یہاں تک سمند قلم کو ارخاء عنان کیا ہے کہ میدان صحاح بھی اس کے صدمہ سے نہیں بچ سکا۔ صحیح مسلم تک کی حدیثوں کو بلاتاویل موضوع کہہ دیا ہے۔ خطیب بغدادی ابن عساکر نے جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنجناب ﷺ حجۃ الوداع میں عقبۃ الجیحون پر میرے پاس سے بحالت گریہ وغمناکی گزرے میں بھی حضرت کو روتے دیکھ کر روئی پھر جب آپ نے مراجعت کی تو آپ کا چہرہ ہشاش بشاش تھا اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا اے حمیرا! میرے اس اونٹ کی مہار کو لے پس میں مہار کو لے کر اُونٹ کے پہلو سے تکیہ لگا کر کھڑی ہوئی۔ بعد ازاں آپ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور بہت ہی خوشی کی

حالت میں تھے میں نے عرض کی (کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) کیا وجہ تھی کہ آپ جب پہلے میرے ہاں سے گزرے ہیں تو بحالت آبدیدہ تھے چنانچہ میں بھی اس حالت کو دیکھ کر روئی اور پھر جو آپ تشریف لائے تو بہت ہی خوشی کی حالت تھی آپ نے فرمایا: میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور جناب ایزدی میں والدہ کے زندہ ہونے کی استدعا کی اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کیا وہ مجھ سے ایمان لا کر پھر ویسی ہوگئیں۔ ابن شاہین، محب الدین طبری نے روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ عقبۃ الجیحون پر بحالت پژمردگی فروکش ہوئے جتنا اللہ نے چاہا وہاں رہے پھر وہاں سے واپس تشریف لائے تو خوب ہی فرخندہ حالت تھے اور فرمایا کہ میں نے جناب عزت کو اپنی والدہ کے زندہ ہونے کا سوال کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے لئے زندہ کیا اور وہ میرے ساتھ ایمان لائیں۔ حافظ ابن سید الناس نے بعض صحابہ سے بایں طور پر روایت کی ہے کہ حضرت کے والدین دونوں مسلمان ہوگئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا تھا وہ ایمان کے شرف سے ممتاز ہو کر پھر فوت ہوگئے تھے اور جناب بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس مضمون کی روایت ہے۔

القصہ اس مضمون کی بہت حدیثیں ہیں جو کتب قوم میں مروی ہیں باوجودیکہ یہ حدیثیں بوجہ کثرت طرق حسن لغیرہٖ کا درجہ رکھتی ہیں۔ علامہ سیوطی نے ان کی تائید میں ایک عجیب بحث لکھی ہے فرماتے ہیں کہ باتفاق اُمت مرحومہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو معجزے یا خصائص پہلے نبیوں کو دیئے گئے تھے وہ پورے کے پورے ہمارے نبی کریم کو عطا کئے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ احیاء میت قرآن شریف سے ثابت ہے پس ضرور ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا بھی یہ معجزہ ہو اور وہ بھی یہی حضرت کے والدین کا زندہ ہونا ہے کیونکہ بجز اس واقعہ کے کوئی ایسا امر نہیں ہے جو عقلاً یا شرعاً مستبعد ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢٠

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

## امام ابن عابدین کی رائے

شامی حاشیہ در مختار جلد ثالث میں تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب پر یہ بھی انعام فرمایا کہ آپ کے والدین کو زندہ کیا تا کہ وہ آپ پر ایمان لائے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اس حدیث کی قرطبی وابن ناصر الدین وغیرہما نے تصحیح بھی کی ہے۔اور خلاف قاعدہ اکراماً لنبی بعد الموت متنفع بھی ہوئے۔جیسے بنی اسرائیل کا قتیل اپنے قاتل کی خبر دینے کے لئے زندہ کیا گیا تھا۔اور یہ بھی شامی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اعزازاً للنبی سورج کو بعد غروب لوٹایا تھا تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلوۃ العصر پڑھ لی۔اس طرح حضرت کے والدین کو بعد الموت زندہ کیا تا کہ وہ ایمان لائیں۔

## چوتھا طریقہ

آپ کے والدین شریفین ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے اور کبھی شرک یابت پرستی کے زنگار سے ملوث نہیں ہوئے امام رازی اسی طرف مائل ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے تمام آباء آدم علیہ السلام تک صاحب توحید تھے۔اور اپنی تفسیر میں اس کی صراحت کی ہے۔بلکہ ہر ایک نبی کے آباء کا یہی حکم ہے۔اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ (معاذ اللہ) کافر تھے۔

تو ایسے شخص کو پتا ہونا چاہیے کہ آزر،ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے بلکہ چچا تھے ،ابن منذر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے ابن عباس مجاہد اور ابن جریج کے اقوال بھی مشہور ہیں، مضمون کتب تفاسیر میں موجود ہیں چچا کو مجازاً باپ کہنا عرب کے محاورے میں بکثرت آیا ہے،قرآن شریف واحادیث مبارکہ میں اس کی یہ نظیر ملتی ہیں۔

مسلم شریف میں ایک روایت آئی ہے جس میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

عم الرجل لابيه.

''چچا باپ کے برابر ہے۔''

قرآن شریف میں ہے:

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ.

(البقرہ:۱۳۳)

''ہم پوجیں گے اسی کو جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسماعیل کا۔''

اس آیت کے سیاق وسباق میں یوں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو سوال کیا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے جواب میں یہی کہا جو آیت مذکورہ کا مضمون ہے یعنی ہم تیرے اور تیرے باپوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ اسماعیل، یعقوب علیہ السلام کہ چچا تھے نہ کہ باپ مگر باپ میں شمار کیے گئے، عرب کے ملکوں میں اب تک شائع ہے کہ ذرا آپ سے بڑا ہو تو اسے ابونا کے شرف سے عزت دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اِس آیت

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾

(الشعراء:۲۱۹)

''جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔''

سے حضرت کے والدین بلکہ حضرت کے تمام آباء کا اسلام ثابت کیا ہے یعنی حق تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ اللہ تجھے دیکھتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے اور تیرا سجدہ کرنے

والوں میں دورہ۔

استدلال اسلام یوں ہے کہ تقلب سے یہ مراد ہے کہ حضرت کا نور مبارک آدم علیہ السلام سے تمام ان لوگوں میں نقل کرتا آیا جو نمازی تھے حتی کہ آپ عبد اللہ اپنے والد ماجد کی پیشانی میں جلوہ گر ہوئے اس تقریر سے جیسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت کے تمام آباء مسلمان تھے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں تھے بلکہ چچا تھے جو مجازاً بامحاورہ عرب باپ کہلائے گئے۔

اگر کوئی یہ کہے اس آیت شریفہ کے معنیٰ مفسرین نے بہت کیے ہیں ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ آیت کا بہت معانی پر مشتمل ہونا ہمارے مقصد کو مضر نہیں کیونکہ آیت کا ہر ایک معنیٰ پر حمل واجب ہوتا ہے یعنی آیت شریفہ ہر ایک معنیٰ کو شامل ہوتی ہے۔

حدیث میں یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے ارحام طاہرات میں نقل ہوتا رہا ہوں اور قرآن شریف میں یوں ارشاد ہوا کہ مشرک نجس ہیں پس ضروری ہے کہ ماننا پڑے گا کہ حضرت کے آباء اور اُمہات سب مسلم ہیں ورنہ پاکباز اور طاہرات کے کیا معنیٰ؟

صحیح بخاری میں ایک بایں مضمون مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ بنی آدم کے اچھے لوگوں میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔

دوسری حدیث باسناد صحیح طرق کثیرہ سے یوں روایت کی گئی ہے زمین پر سات مسلمان ہمیشہ رہے ہیں یعنی سات مسلمانوں سے زمین کبھی خالی نہیں ہوئی اب ان دونوں حدیثوں کے مضمون کو دیکھا جائے تو بداہتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت کے آباء مسلمان تھے و اِلّا لازم ہوتا کہ یا تو ان کے والدین اچھے نہ تھے **وھو خلاف الحدیث**، یا یہ کہ مشرک مسلمانوں سے اچھے ہوتے ہیں۔

وھو باطل بالاجماع۔

''اور یہ بالاجماع باطل ہے۔''

ولعبد مومن خیر من مشرك۔

''غلام مومن مشرکوں سے اچھا ہے۔''

ابن سعد نے ''طبقات'' میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان جتنے کبار نوح ہیں تمام مسلمان ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ آدم اُور نوح کے درمیان دس قرن گزرے تمام کے تمام شریعت پر تھے بعد آزاں مختلف ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے۔

قرأت عبداللہ میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّن۔ (البقرہ:۲۱۳)

''لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے۔''

پھر نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا۔ (نوح:۲۷)

''اے میرے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور

جو میرے گھر میں ایمان سے داخل ہو۔''

اور سام بن نوح کا مسلمان ہونا بالاجماع مانا گیا ہے بلکہ ایک اثر اس کے نبی ہونے کا ثبوت ہے۔

پھر ابن سعد نے کلبی کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں برابر لوگ مسلمان رہے حتیٰ کہ نمرود بادشاہ ہوا اور اپنے زمانہ کے لوگوں کو بُتوں کی عبادت پر جھکایا، ابراہیم علیہ السلام بھی نمرود کے زمانہ میں تھے اور ابراہیم کی اولاد کا مسلمان ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ۔ (الزخرف:۲۸)

''ابراہیم نے اپنی اولاد میں ایک کلمہ چھوڑا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' تھا۔

اور یہ بھی قرآن کریم میں ہے:

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵ (ابراہیم:۳۵)

''مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔''

ابراہیم علیہ السلام کی یہ درخواست بھی قرآن شریف میں ہے:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔

(ابراہیم:۳۷)

''اے میرے پالنے والے تحقیق میں اپنی اولاد کو تیرے گھر کے نزدیک ایسی وادی میں چھوڑے جا رہا ہوں جس میں کھیتی نہیں ہوتی تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں۔''

بخاری شریف سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ عرب ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے عمر بن خزاعی کے زمانہ تک دیندار رہے کوئی ایک بھی کافر نہ ہوا۔

عمر بن خزاعی کو عمر بن لحی بھی کہتے ہیں۔

## عرب کا پہلا بُت پرست

عرب کا پہلا شخص ہے جس نے بتوں کی پوجا کی اور ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدلا۔ یہ مضامین سہیلی، شہرستانی کی کتب میں مذکور ہیں۔ عمرو بن لحی کا زمانہ کنانہ کے زمانہ کے قریب قریب تھا اور کنانہ مذکور آنجناب کے جد امجد ہیں۔

مسلم وترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسمٰعیل کو برگزیدہ کیا اور اسمٰعیل کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش پھر قریش سے ہاشم کو پھر ہاشم سے مجھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصحاب بدر کے ناموں کی شرح میں ایک حدیث لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شفیع المذنبین نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر اُس کی صلب میں آیا جو زمین کے رہنے والوں سے اچھا تھا۔ پھر اس طرح پھر اس طرح یہاں تک کہ میں پیدا ہوا۔

قاضی عیاض مالکی نے بااسناد شیرخدا سے روایت کی ہے کہ آنجناب نے آیۃ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کو۔ انفسکم. بفتح الفاء پڑھا (تحقیق تمہارے پاس رسول آیا جو تم میں سے پاکیزہ لوگوں سے ہے)۔ اور ایک حدیث آپ نے یوں ارشاد فرمائی ہے کہ میں تم سے از روئے حسب ونسب وقرابت بہت پاکیزہ ہوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے آباء میں کوئی بھی زانی نہیں ہوا، کل کے کل نکاح کرتے رہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

خاتمہ: قال اللہ تعالیٰ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (الاحزاب: ۵۷)

"تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔"

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کہے کہ حضرت کے والدین ناری ہیں تو اس کا کیا حکم ہے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ وہ بحکم آیۃ مذکورہ ملعون ہے اس سے بڑھ کر کیا ایذاء ہوگی کہ حضرت کے والد کو ناری کہا جائے۔ سہیلی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمیں بالکل مناسب نہیں کہ ہم حضرت کے والدین پر ناری

ہونے کا حکم کریں۔

## فقہ اکبر کی عبارت کی تحقیق

بعض لوگ یہ خیال کیا کرتے ہیں کہ اگر حضرت کے والدین شریفین مسلمان ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ

ابوا رسول اللہ ماتا علی الکفر۔

جواب یہ ہے کہ اول تو نسبت فقہ اکبر کی طرف امام ہمام کے باقوال اکثر علماء غلط ہے۔ دوم یہ مقولہ ہر ایک نسخہ میں پایا نہیں جاتا اور جو لوگ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف مانتے بھی ہیں تو وہ باہم مختلف الاقوال ہیں (گو اس پر متفق ہیں کہ حضرت کے والدین مسلمان تھے۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ مقولہ "مدسوس" (کسی دوسرے نے شامل کر دیا) ہے بعض کہتے ہیں کہ ماتا کے ما قبل "ما" نافیہ تھا کسی طرح ساقط ہو گیا یعنی اصل عبارت یوں تھی:

ابوا رسول اللہ ما ماتا علی الکفر۔

اور بعض یہ تقریر کرتے ہیں کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فقہ اکبر میں ماتا علی الکفر ہے اور فقہ اکبر بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جیسے کہ علی قاری کا گمان ہے تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کافر ہیں اور ناجی نہیں۔

چنانچہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے:

پیش آنچه درفقه اکبرست که ابوین آنحضرت ﷺ ماتا علی الکفر با اثبات بنجات ایشان تناقضے ندارد آرے اگر توحید وبرأة از شرك ازانها ثابت شووالبته مناقض آں خواهد بود نهایت کاراین مردم همین ست که بنجات ثابت مے

کنند تفصیل ایں اجمال آنکه دراثبات بنجات والدین آنحضرت ﷺ علماء راسه مسلك ست اول اینکه ایشاں باوجود کفر و شرکے که داشتند معذب نخواهند شد مثل صبیان و مجانین بعلت آنکه در زبان فطرت بودند و پیش از بعثت پیغمبر ﷺ بمقتضائے آیة... وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا تعذیب قبل از بعثت مستحق نیست وقد سبق فی هذا المسلك من المنافاة۔

وبریں مسلك عبارت فقه اکبر صحیح ست زیرا که مدلول او همیں قدرست که ماتا علی الکفر تعرض تعذیب آنها دراں عبارت واقع نیست۔ مسلك دوم آنکه ایشاں را برائے آنحضرت صلی الله علیه وسلم زنده ساختندواینها ایمان اوردند وایں مسلك نیز باعتبار فقه اکبر منازعت ندارو۔ ولهذا شمس الدین کروری که ازاجله علماء حنفیه ماوراء النهرست درفقه خود مے گوید۔

يجوزلعن من مات على الكفر الا والدى رسول الله ﷺ لثبوت انه تعالىٰ احياهما له حتىٰ منا به انتهى۔

مسلك سوم اینکه اینا بعقل خود باستماع ازملة ابراهیمی قبح شرك رادریافته ترك آں گرفته بودند و توحیدرا معتقد بوونده وامنام راتعظیم نمیکر دندوکابراعن کابر بعثت آنحضرت صلی الله علیه وسلم را شنیده منتظر قدوم ایشاں و تولدایشاں بودند وبدل عزم مصمم واشتند که هر گاه آں

مسعود برمنصه ظهور جلوه گرشود مازدل دجاں متابعث و
اختیار کنیم چنانچه قصه نورے که درجبین عبدالله والد
شریف آنحضرت صلی الله علیه وسلم بود وازبزرگان خود مورث
داشت شاهد ایں مدعاست بیشتر مختار سیوطی و رساله خود
همیں سلك مست پس دریں صورت هم نجات یشاں ثابت مے
شود وهم ایمان ایشاں زیرا که درالوقت همیں قدر ایمان اجمال
متحقق ملتواست شد چنانچه درحق ورقه بن نوفل .... همیں
قدرثابت ست امابریں مسلك هم عبارت فقه اکبر از دست
نمیرود نریرا که شاید عدم ایمان تفصیلی را وعدم ایمان
معزوم علیه راتعبیر بکفر کرد باشند اما ابی وابوك فی النار
ولم یؤدن لی بالثقاعة قها که درحق بادر شریفه ارشاد شده
ازیں هر سه ملك آباء کلی و منافرت تمام دارند (بالکل منافرت و
آباء نہیں ہے کیونکہ بدلائل ساطعہ ان کی نسوخیت ثابت کی گئی کمامر وھوالحق)

فالاولیٰ فی هذه المسائل السکوت انتهی مافی
الفتاوی وفیه ما فیم فافهم ولا تکن من
الغافلین واخر دعونا ان الحمد لله رب العالمین،
اللهم صلی علی محمد و علی اٰل محمد کما تحب و
ترضی... تمت

# ضمیمہ من کتابین جلیلین احدھما معجون الجواھر وثانیھما مرام الکلام للحافظ الفرھاو

حاضرین آپ کو اُن متعصبوں کی کلام پہنچی ہوگی جو آنجناب کے آباء شریفہ کے اسلام میں تعصب کرتے ہیں حالانکہ کوئی اصل اصول اسلام سے ایسی نہیں جو اُن کے ثبوت اسلام سے منہدم ہوتی ہو۔ پس اللہ کی طرف اُس قوم کی شکایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب نہیں کرتی۔ حافظ محدث امام سیوطی پر اللہ کی رحمت ہو کہ اُس نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء شریفہ کے ثبوت اسلام میں چھ رسالے لکھے اور مخالفین کے متمسکات کا جواب لکھا۔ علی قاری سے تعجب ہے کہ علامہ سیوطی کے بعض رسائل کا رد لکھا۔ علی قاری کے شیخ ابن حجر نے اُسے نیند میں دیکھا کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر نیچے گر پڑا۔ اس کی تعبیر دریافت کی تو معلوم ہوا کہ یہ رنج وتعب بوجہ اہانت والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہنچا۔ قاری کی موت اسی طرح واقع ہوئی جیسے اُس کے شیخ نے دیکھی تھی۔ یہ ابن حجر کی کرامات سے ہے۔

## فقہ اکبر کی عبارت کی تحقیق

بعض متعصبین کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ اکبر میں یہ لکھا ہے کہ آنجناب کے والدین کفر پر مرے ہیں افتراء ہے۔ حاشا کہ وہ اپنے عقیدہ میں یہ ذکر کریں۔ فقہ اکبر کے نسخہ متخالفہ میں اکثر نسخوں میں یہ ذکر نہیں ہے۔ اگر فرض کر لیں کہ اس طرح لکھا ہوا ہی ہے۔

تو یہی جواب ہوسکتا ہے کہ حدیث احیاء اس کا جواب ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ جولوگ حضرت کے آباء مطہرہ کا اسلام ثابت کرتے ہیں آنجناب خوشنود ہوں گے اور اُن کی شفاعت فرمائیں گے اور جولوگ اُن کی کفر پر تعصب کرتے ہیں۔اُن پر عتاب کریں گے۔(ملتقطًا من معجون الجواھر)

## ایمان والدین کریمین پر تین مذاہب

"مرام الکلام" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت کے والدین کے مسئلہ میں تین مذہب ہیں:

### پہلا مذہب

پہلا مذہب یہ کہ وہ اہل فترت سے ہیں۔اہل فترت میں مختار قول یہ ہے کہ انہیں نجات ہوگی۔بعضوں نے امتحان کی شرط لگائی ہے۔آنجناب کے والدین کا امتحان میں کامیاب ہونا بہت سے علماء کا فتویٰ ہے،ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے والدین سے سوال کئے گئے تو فرمایا کہ میں نے اُن کے لئے اللہ سے سوال کیا جو میں نے مانگا تھا مجھے دیا گیا۔ابن عمر سے مرفوعاً آیا ہے کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے والدین اور چچا ابوطالب اور اُس کے لئے جو جاہلیت میں میرا بھائی تھا شفاعت کروں گا۔

### دوسرا مذہب:

دوسرا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حجۃ الوداع میں زندہ کیا اور وہ ایمان لائے۔اس کو خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن عساکر، ابن شاہین، محب الطبری نے روایت کیا ہے، امام قرطبی، ابن المنذر، صلاح صفدی، حافظ شمس الدین اسی طرف

راغب ہیں۔

## تیسرا مذہب

تیسرا مذہب یہ ہے کہ وہ جاہلیت کے مسلمانوں کی مانند ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسے زید بن عمرو بن نفیل وقیس ابن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، وعمر جہنی وغیرہم۔

## امام رازی کا مؤقف

امام رازی اسی کے قائل ہیں چنانچہ جناب آمنہ والدہ مطہرہ آنجناب نے موت کی بیماری میں اپنا دین ابراہیم علیہ السلام کا بتلایا تھا۔ شیخ ابوالقادری فرماتے ہیں کہ حجۃ قاطعہ آپ کے والدین شریفین کے ثبوت اسلام میں یہ آیت ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ (اسراء:٢٤)

''اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

پھر حافظ صاحب نے مخالفین کے متمسکات کا جواب دیا ہے۔ کہا ہے کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ﷺ سے سوال کیا کہ میرا باپ کہاں ہے فرمایا آگ میں ہے جب فیصلہ کر چکے تو اُسے بُلا کر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں: مراد اس سے اپنے چچا کو کہا تھا۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ابوطالب خود مسلمان تھے چنانچہ میں نے ایک رسالہ مسمی بقول الجلی فی نجات عم النبی ابی العلی اس بارہ میں لکھا ہے اگرچہ یہ جواب ہے ہوسکتا ہے کہ دخول نار سے خلود نار لازم نہیں آتا مگر حق یہ ہے کہ یہ اور دوسری وہ حدیثیں جو اس مضمون کی ہیں منسوخ ہیں" کما مر فی ترجمۃ رسالۃ

سیوطی"

اور وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ میں اپنی والدہ کی قبر پر بہت رویا اور اس کی شفاعت کی درخواست کی مگر منظور نہ ہوئی۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ گریہ آپ کا وجہ فراق تھا یا بہ سبب اُن گناہوں کے تھا جو اُن سے فترہ میں واقع ہوئے تھے جو ثواب کے زیادتی کے مانع ہوئے۔ اور شفاعت بھی غالباً انہیں گناہوں کے لیے ہوگی جو بوجہ تاخیر مصلحت اُس وقت اذن ہوا۔ پھر حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر ہم ان احادیث کو ظاہر پر چڑھا دیں نہ منسوخ کریں نہ تاویل کریں تو احادیث احیاء ان احادیث کا جواب کافی ہیں یعنی جن حدیثوں میں آپ کے والدین کا زندہ ہونا مذکور ہے، وہ کافی وشافی جواب ہیں۔

پھر کہا ہے کہ علی قاری سے تعجب ہے کہ حضرت کے والدین کے کفر میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں یہ لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) آمنہ ملعونہ کافرہ ہے ہمیشہ دوزخ میں رہے گی۔ طرفہ یہ کہ یہ رسالہ اپنے استاد ابن حجر مکی کے پاس جرأت کر کے بھیجا ابن حجر نے اُس کے رد میں ایک بڑا لمبا چوڑا رسالہ لکھا۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ۔

عمر بن عبدالعزیز کے سامنے سلیمان بن سعد نے (جو اس کا منشی تھا) کہا کہ حضرت کے والدین ایسے تھے عمر بن عبدالعزیز بہت غضبناک ہوئے اور اُسے موقوف کر دیا۔ جو شخص حضرت کے والدین شریفین کو معاذ اللہ کافر کہے جمہور علماء نے اُس کے ملعون ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (الاحزاب:۵۷)

"تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ

نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔"

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں: اس سے زیادہ کوئی ایذا نہیں ہے کہ حضرت ﷺ کے والد کو دوزخی کہا جائے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ میں تحت حدیث بعثت من خیر قوم من بنی آدم الخ فرماتے ہیں:

اما آبائے کرام آنحضرت ﷺ پس همه ایشان از آدم تا عبدالله طاهر و مطهر انداز دنس کفر و رجس شرك چنانکه فرمود بیرون از اصلاب طاهره بارحام طاهره و دلائل دیگر که متاخرین علمائے حدیث آنرا تحریر و تقریر اندو بعمری این علمی است که حق تعالیٰ سبحانه مخصوص گرداینده است بایں متاخران یعنی علم آنکه آباء واجداد شریف آنحضرت همه بر دین توحید واسلام بوداند واز کلام لائح میگرد و کلمات برخلاف آن وذالك فضل الله یوتیه من یشاء و یختص به من و خدائے جزائے خیر دهد شیخ جلال الدین سیوطی را که درین باب رسائل تصنیف کرو وافاده واجاده نموده این مدعا را طاهر و باهر گرداینده است و ما شاء الله که این نور درجائے ظلمانی پلیدیه نهند و درعرصات آخرت به تعذیب وتحقیر آباء اور

المخزی و مخذ گروانند تمام شد اشتہار واجب لا
ظہار۔

کیا مسلمانوں کو اِن رسائل کے خرید کرنے میں بھی تامل ہوگا۔ ہر گز نہیں یہ وہ رسائل ہیں۔ جن کے پڑھنے میں ثواب اور محبت نبوی ﷺ کے حاصل کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہیں یعنی:

ارشاد الغبی الیٰ اسلام آباء النبی وقول الجلی فی
نجات عم النبی ابی العلی وشمس بازغه دربیان
عدم کراهت جماعت ثانیه۔

جن کو یہ رسائل مطلوب ہوں بدوکان مولوی خدایار و نور احمد تاجران کتب شہر ملتان سے طلب فرماؤ۔

المشتہر
بندہ برخوردار عفی عنہٗ

# قول الجلی

# فی

# نجات عم النبی ابی العلی

مؤلفہ

امام اہلِ سُنّت حضرت قاضی محمد برخوردار ملتانی قدس سرہٗ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدلله الذی هدانا الی سواء السبیل والصلوٰة والسلام علی سیّد رسله المبعوث بالشریعة ذی التسهیل وعلی اٰله وصحبه الذین کانوامن اصحاب التکمیل۔

امابعد! فقیر حقیر سراپا تقصیر محمد برخوردار ولد مولوی عبدالرحیم ملتانی مدرس اول عربی وفارسی سکول انجمن اسلامیہ ملتان اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ یہ ایک مختصر رسالہ ہے کہ جس میں ابوطالب (عم النبی ﷺ وابوالعلی رضی اللہ عنہ) کے مومن و ناجی ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ماخذ اس کا" کتاب اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب" ہے جس کو سید علامہ احمد بن سید زینی دحلان ساکن مکہ معظمہ نے تالیف کیا ہے۔ ماخذ کیا بلکہ اس کے خلاصہ کا ترجمہ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اور نام اس رسالہ کا" قول الجلی فی نجات عم النبی ابی العلی" ہے۔

احمد بن زینی دحلان فرماتے ہیں کہ میں مولانا محمد بن رسول برزنجی کی ایک کتاب پر واقف ہوا جو انہوں نے حضرت ﷺ کے والدین کے ناجی ہونے کے بارے میں لکھی تھی اور اس کتاب میں انہوں نے ایک خاتمہ لکھا ہے جس میں ابوطالب حضرت کے چچا کی نجات بہت زور شور سے ثابت کی ہے۔ اور اس پر بہت سے اقوال علماء اور قرآن و حدیث کے ایسے دلائل و براہین قائم کئے ہیں کہ جو ذرا بھی تامل کرے تو اُسے یقین ہو جائے کہ ابوطالب بیشک ناجی ہیں اور ساتھ ہی اُسے یہ روشن ہو جائے کہ جو اَدِلّہ حضرت ابوطالب کی نجات کے خلاف وارد ہوئی ہیں اُن کے صحیح معانی ایسے ہیں جن سے خلاف کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ گویا تمام نصوص ابوطالب کی نجات پر

تصریحی معنی رکھتے ہیں اور اس بارے میں وہ ایسی چال چلے ہیں کہ اس سے پہلے کوئی ایسی چال نہیں چلا۔ دلائل کی وہ پرکھ جانچ کی ہے کہ جو ابوطالب کی نجات کا منکر تھا مقر ہو گیا۔ اور جو دلائل عدم نجات کے لوگ سمجھے تھے اُن کو ایسا پلٹا کہ وہ نجات کی دلیل بن گئے اور جتنے شبہے لوگوں کے تھے ہر ایک کا تتبع کر کے اُن کو زائل کر دیا۔ لیکن بعض مباحث میں ایسی لطیف بحثیں لکھیں۔ جو بغیر علماء فحول کوئی انہیں سمجھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اور بعض بحثیں مطلوب سے زائد بھی تھیں جنہیں اپنے دعوے کی تقویت کے لئے ذکر کیا تھا۔ پس میں نے اُن اوراق کی جنہیں نجات حضرت ابی طالب کی ثابت کی گئی تھی تلخیص کرنے کا ارادہ کیا تا کہ ہر ایک وہ شخص جو انہیں سمجھ لے وہ اس بحث پر ہر ایک محفل میں غالب ہو اور ساتھ ہی ان مباحث دقیقہ کی عبارتوں کو بقدر امکان آسان کر دیا۔ اور جو عبارتیں زائد تھیں انہیں حذف کر دیا۔ اور جو کلام اس بحث کے متعلق میں نے ''مواھب اللدنیہ'' میں پائی اسے زائد کیا۔ پس یہ تمام مجموعہ مراد کے موافق پورا ہوا۔ اور جو شخص اس پر واقف ہوگا انشاء اللہ اُسے نافع ہوگا اور اس مجموعہ کا نام ''اسنی الطالب فی نجات ابی طالب'' رکھا گیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔ اللّٰھم صلی علی محمد و علی اٰل محمد و بارك۔

احمد بن زینی دحلان فرماتے ہیں کہ علامہ برزنجی نے پہلے تو حضرت ابوطالب کا ایمان دلائل و حجج کے ساتھ ثابت کیا ہے پھر اس کی نجات ثابت کی ہے۔ اور محققین کے نزدیک جو ارجح اقوال تھے اُن پر بنا رکھی ہے۔ پھر یہ کہا ہے کہ ثبوت ایمان اس پر موقوف ہے کہ پہلے ایمان کے معنی بیان ہوں۔

## ایمان کا شرعی معنیٰ و مفہوم

ایمان شرعی یہ ہے کہ بندہ اللہ کی وحدانیت اور حضرت کی رسالت اور ہر وہ چیز

جوحضرت محمد ﷺ اللہ جل شانہ سے لائے ہیں اُن کی تصدیق دل سے کرتا ہو۔

## اسلام کا شرعی معنیٰ ومفہوم

اسلام شرعی یہ ہے کہ افعال ظاہری شرعی کا منقاد ہو۔ اس کی دلیل فرمودہ حضرت محمد ﷺ کا ہے:

الاسلام علانیۃ والایمان فی القلب۔

"یعنی اسلام ظاہر ہے، اور ایمان دل میں۔"

کبھی یہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں جیسے وہ شخص جسے تصدیق قلبی بھی ہے اور شہادتین کا اقرار بھی۔ اور کبھی اسلام، ایمان سے اکیلا ہو جاتا ہے جیسے منافق کہ شہادتین کا اقرار کرتا ہے اور ظاہر اسلامی احکام کے لئے متبع ہوتا ہے لیکن دل سے اسلام کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ تکذیب کرتا ہے۔ اور کبھی ایمان اسلام سے جدا ہوتا ہے جیسے بہت سے علماء یہود جو دل سے تصدیق کرتے تھے لیکن از روئے عناد (یعنی سرکشی) شہادتین کا اقرار نہیں کرتے تھے اور نہ احکام شرعیہ کے مطیع تھے اور نہ حضرت کی اتباع کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں میں یہ آیت نازل فرمائی:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ (البقرہ:۱۴۶)

"اس پیغمبر کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔"

لیکن اس کی رسالت کا عناداً اقرار نہیں کرتے اور دل میں اس کے دعوے رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگ باطن میں مومن ہیں ظاہر میں از روئے عناد مکذب ہیں۔ انہیں ایمان باطنی بجہت تکذیب ظاہری کے (جو عناداً کرتے تھے) کچھ نفع نہ دے گا۔ ہاں جو ایسے لوگ ہوں کہ مصدق بالقلب ہوں اور کسی عذر سے (نہ عناد

سے ) ظاہری احکام کی تابعداری کریں ۔ اور شہادتین کا بھی زبان سے اقرار نہ کریں تو انہیں ایمان باطنی ( باطن میں ) عند اللہ قیامت کے دن نافع اور فائدہ مند ہوگا ۔ لیکن ظاہر میں اُن کے ساتھ معاملہ کفار جیسا ہوگا اور بحسب احکام دنیا اُن کا نام کافر ہوگا ۔

اب یہ جتلانا ضروری ہے کہ وہ کون سے عذر ہیں جو انقیاد ظاہری کے لیے مانع ہیں ۔ ان میں ایک ظالم کا خوف ہے کہ اگر اسلام ظاہر کیا جائے یا اسلام کی اطاعت کی جائے تو وہ اُسے قتل کر دے گا یا اسے ایسی ایذا دے گا جس کو وہ نہیں اُٹھا سکے گا اُس کی اولاد یا اقارب میں کسی کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا ۔ پس ایسے شخص کے لئے اخفاء اسلام جائز ہے ۔ بلکہ اگر ظالم اُسے کفر کے کلمہ کے اظہار پر بھی مجبور کرے تو اس کو تلفظ بکلمہ کفر درست ہے ۔ دلیل اس کی قولہ تعالیٰ ہے :

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ (النحل:١٠٦)

”جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے ۔“

## حضرت ابوطالب کے اخفاء اسلام کی توجیہہ

حضرت ابوطالب (عم النبی و ابو العلی) کا امتناع اسلام کے ظاہر کرنے میں اسی قبیل سے تھا اپنے بھتیجے کے خوف کے لئے اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ہیں کیونکہ وہ حضرت کی حمایت اور نصرت میں سرگرم تھے اور ہر ایک ایذا حضرت سے دور کرتے تاکہ وہ اپنے رب کی رسالت کی تبلیغ کریں ۔ اور کفار حضرت ابوطالب کی حمایت اور رعایت کے لحاظ سے حضرت محمد ﷺ کی تکلیف دینے سے باز رہتے وجہ یہ تھی

کہ قریش کی ریاست اور امیری حضرت عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب کی تھی اور حضرت ابوطالب کا حکم قریش پر جاری تھا اور اس کی حمایت (جو حضرت کے لئے کرتا تھا) اُن کے نزدیک مقبول تھی۔ کیونکہ وہ حضرت ابوطالب کو اپنی ملت اور دین پر جانتے تھے۔ اگر وہ معلوم کر لیتے کہ ابوطالب مسلمان ہوگیا ہے اور حضرت کا مطیع ہے، تو کبھی اس کی حمایت ونصرت قبول نہ کرتے۔ بلکہ اس کے ساتھ لڑتے اور ایذا دیتے۔ اور اُسے حضرت سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچاتے (مطلب فوت ہوجاتا) لاریب یہ عذر عدم اتباع نبی اور اظہار اسلام میں بہت قوی تھا بلکہ ابوطالب قریش کے لیے یہ اظہار کرتے کہ وہ قریش کے دین اور ملت پر ہے۔ اور حضرت کی حمایت قرابت کی وجہ سے ہے جو حضرت اور ابوطالب کے درمیان تھی اور قریش کو بھی اعتقاد ہوگیا تھا کہ یہ نبی کی نصرت اس حمیت کے لئے کرتے ہیں جو قریش میں مشہور ہے نہ دینی اتباع کے لیے اور حال یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کا دل حضرت کی تصدیق سے لبریز تھا۔ کیونکہ اُس نے حضرت محمد ﷺ کے بہت سے معجزے مشاہدہ کیئے تھے۔ ہم ان تمام باتوں کی وضاحت آگے بیان کریں گے اور حضرت ابوطالب ظاہر میں ایسے کلمے بیان کرتے جو اُس کے اسلام کی دلیل ہوسکتے تھے مگر ساتھ ہی انہیں وہ کلمات سناتے جن سے قریش کو یہ وہم ہوتا کہ ابوطالب ہمارے دین وملت پر ہے۔ اور نبی ﷺ کا مطیع نہیں۔ کلمات دورویہ کی وجہ یہ تھی کہ قریش کہیں یہ شبہ نہ کریں کہ یہ نبی ﷺ کا تابعدار ہے تاکہ حضرت کی حمایت ونصرت اُن کے نزدیک مسلم رہے۔

## نطق بالشہادتین میں علماء کا اختلاف

پھر برزنجی صاحب نے نطق بالشہادتین میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے کہ آیا یہ ایمان کی جزء ہے یا دنیا میں اجرائے احکام کے لیے شرط ہے۔

اس اختلاف پر یہ امر مرتب ہوتا ہے کہ جولوگ نطق بالشہادتین کو جزء ایمان کہتے ہیں اُن کے نزدیک تارک اُس کا بشرطیکہ قدرت رکھتا ہو کافر ہے ہمیشہ آگ میں ہوگا۔ اور جولوگ اس کو دنیا میں احکام جاری کرنے کے لئے شرط کہتے ہیں وہ اس کے تارک کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا حکم نہیں دیتے۔

## ایمان محض تصدیق ہے:

سفاسی صاحب شرح تمہید میں فرماتے ہیں ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح روایت اسی طرح ہے۔

علامہ عینی ''بخاری'' کی شرح میں لکھتے ہیں: زبان کا اقرار احکام کے جاری کرنے کے لئے شرط ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پیغمبر ﷺ کو تمام اُن امروں میں جو اللہ سے لائے ہیں سچا مانے تو وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے۔ گو زبان سے اقرار نہ کرے۔

حافظ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس طرح مروی ہے۔ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ بھی صحیح روایت میں اس طرف گئے ہیں۔ اور ابومنصور ماتریدی کا ایضاً یہی قول ہے۔

امام عضد الدین رحمہ اللہ کتاب مواقف میں تحریر کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایمان پیغمبر کی تصدیق کا نام ہے جو وہ اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ مواقف کے شارح سید شریف یوں شرح کرتے ہیں کہ قول مواقف کا عندنا یعنی ہمارے نزدیک الخ۔ یہ ابوالحسن اشعری کا اتباع ہے۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں اس کو بخوبی ثابت کیا ہے اور بہت طول دیا ہے۔ اور امام الحرمین، اشاعرہ، قاضی باقلانی، استاد ابواسحٰق اسفرائینی بھی اس کے قائل ہیں۔

## احادیث سے استدلال

تفتازانی نے جمہور محققین کی طرف اس کی نسبت کی ہے اور اس پر بہت احادیث سے استدلال پکڑا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے صدق دل سے معلوم کرلیا کہ اللہ میرا رب ہے اور میں اُس کا رسول ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت کو آگ پر حرام کردے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ازاں جملہ وہ حدیث ہے جو بخاری مسلم میں بروایت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مرگیا اور اسے معلوم ہے کہ بجز جل شانہٗ کوئی عبادت کے قابل نہیں بہشت میں داخل ہوگا۔

طبرانی مسلمہ ابن نعیم اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: جو اللہ جل شانہٗ کو ملا اور وہ مشرک نہیں تھا بہشت میں داخل ہوگا۔ اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مَیں نے عرض کی یارسول اللہ! گو وہ زانی اور چور ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: گو وہ زانی اور چور ہو۔

برزنجی صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث شفاعت میں اُن احادیث بالامذکورہ سے بھی بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ میں آگ سے اس شخص تک کو نکالوں گا کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو۔ گو دانہ چھوٹے سے چھوٹا اس چھوٹے بھی چھوٹا ہو۔

(برزنجی صاحب) نے ایک مستقل فصل لکھی ہے۔ اس میں اس قسم کی بہت حدیثیں بیان کی ہیں اور وہ حدیثیں کُل کی کُل اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ ادنے ادنے وزن کے برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

تفتازانی شرح مقاصد میں. کمال بن ہمام مسائرہ میں. ابن حجر شرح اربعین میں اتفاق کر کے لکھتے ہیں کہ نجات کی شرط آخرت میں (صرف تصدیق حاصل کرنے سے) یہ ہے کہ اس سے نطق بالشہادتین طلب نہ کیا گیا ہو۔ اگر اس سے اقرار باللسان طلب کیا گیا اور اُس نے عناداً یا اسلام کو مکروہ سمجھ کر انکار کیا تو وہ ناجی نہ ہوگا۔ پس اس قید عناد وغیرہ سے معلوم ہوا کہ اگر بعد طلب اقرار لسانی اباء یا عناداً نہ کرے ولیکن کسی عذر صحیح سے انکار کرے اور اس کا دل مطمئن بالایمان ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کافر نہ ہوگا بلکہ اگر ایسی حالت پر یعنی عذر صحیح کی حالت میں اُلٹا کفر کا کلمہ کہہ دے تو بھی اُس سے مضر نہ ہوگا۔

کما قال اللہ تعالیٰ:

اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔

''جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔''

یہ تمام نصوص صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

## ایمان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا نام

اب اُس کے مخالف یہ قول ہے کہ صرف تصدیق کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اقرار زبان بھی ہو۔ جو شخص باوجود قدرت اقرار لسانی نہ کرے گا وہ ہمیشہ نار میں رہے گا۔ نووی سے تعجب ہے کہ اُس نے شرح مسلم میں اس قول پر اہل سنت سے فقہا محدثین متکلمین کا اتفاق نقل کیا ہے۔ علماء نے نووی کی حکایت اتفاق پر اعتراض کیا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اربعین کی شرح میں ہر ایک امام کا ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے قول بیان کیا ہے کہ تارک نطق بالشہادتین گنہگار مومن ہے بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ جمہور اشاعرہ کا یہی مذہب ہے۔ اور بعض محقق حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسے

ابن ہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ زبانی اقرار محض دنیا میں احکام کے جاری کرنے کے لیے ہے۔انتہیٰ۔

## لفظ شہادتین میں علماء کا اختلاف

پھر علامہ برزنجی نے علماء کے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ آیا لفظ بالشہادتین بلفظ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کے شرط ہے یا اس جیسے دوسرے لفظوں میں بھی درست ہے۔

برزنجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں دو قول ہیں ضعیف قول تو یہ ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کے الفاظ یہی شرط ہیں دوسرے ٹھیک نہیں۔

دوسرا قول راجح اور عمدہ یہ ہے کہ علی الخصوص یہی شہادتین کے الفاظ شرط نہیں اُن کے سوا جتنے الفاظ ہیں (جو ایمان پر دال ہوں) کافی ہیں بخلاف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے۔امام نووی اپنی کتاب منہاج میں لکھتے ہیں کہ بلاخلاف یہ امر ثابت ہے کہ ایمان بغیر الفاظ مخصوص یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کے منعقد ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر

لا الہ غیر اللہ ما عد اللہ یا سوٰی اللہ یا ما من الہ الا اللہ یا لا الہ الا الرحمن یا لا رحمن الا اللہ یا الا الباری کہے تو یہ سب کلمات "لا الہ الا اللہ" کا حکم رکھتے ہیں۔اور اسی طرح محمد نبی اللہ یا مبعوثہ او احمد او الماحی۔

یا سوائے اس کے یا فارسی کے وہ کلمات جو یہی معنی رکھتے ہیں کہے تو اس کا اسلام صحیح ہے۔اور اُس کے مسلمان ہونے کا حکم دیا جاوے گا۔

## حضرت ابوطالب کی تصدیق قلبی پر دلائل

برزنجی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہوا تو ہم یقینا کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تواتر اً ثابت ہو چکا ہے کہ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو دوست رکھتے تھے۔ اور تبلیغ احکام میں حضرت کی اعانت اور نصرت کرتے تھے۔ اور جو آپ فرماتے اُس کی تصدیق کرتے اور اپنے شعروں میں حضرت کی اس طرح تعریف کرتے جو اُس کی تصدیق قلبی پر رہنما تھی۔ اور اقرار کرتا کہ اُن کا دین حق ہے۔ ابوطالب کے مشہور شعروں سے ہے:

ولقد علمت بان دین محمدٍ

من خیرادیان البریة دیناً

''میں نے جان لیا ہے کہ محمد (علیہ السلام) کا دین تمام مخلوق کے دینوں سے اچھا ہے۔''

الم تعلموا انا وجد نا محمدًا

رسولًا کموسی صح ذلك فی الکتب

''اے قریش کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ موسیٰ (علیہ السلام) کی طرح رسول پایا ہے اور یہ بات کتابوں میں صحیح ہو چکی ہے۔''

## حضرت ابوطالب کی ایمان افروز وصیتیں

ابوطالب قریش کو نبی ﷺ کے اتباع کی بھی وصیت کرتے اور کہتے اللہ جل وعلا کی قسم ہے کہ گویا میں محمد ﷺ کو دیکھتا ہوں کہ باقتدار ہو گیا ہے اور عرب اُس کے مطیع، اے قریش اس کی اتباع میں جلدی کرو تا کہ عرب اس کی طرف تم سے سبقت نہ کرلیں۔ اور بہ سبب اس کے تم سے بڑے نیک بخت نہ ہو جائیں۔ اس قسم کی وصیتیں

کرات مرات (بار بار) ابوطالب سے واقع ہوئیں۔ کبھی بنو ہاشم کو کرتا اور کبھی تمام قریش کو۔ جو وصیت قریش کو اپنی موت کے نزدیک کی تھی وہ لمبی چوڑی ہے جس کا خلاصہ ناظرین کو دکھلایا جاتا ہے:

''اے قریش کی جماعت تم اللہ کی مخلوق میں برگزیدہ اور عرب کا دل ہو اور تمہارے درمیان وہ سردار ہے جو متبوع خلائق، دلیر، بہادر، وسیع الباع ہے۔ اور جان لو کہ تم عرب کے لئے پسندیدہ کاموں میں کوئی حصہ نہیں چھوڑو گے مگر اسے گھیر لو گے اور نہ کوئی بزرگی مگر اُسے حاصل کر لو گے پھر تمہیں بوجہ اس کے لوگوں پر فضیلت ہوگی۔ اور لوگ تمہیں وسیلہ پکڑیں گے۔ میں تمہیں اس کعبے کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی، معاش کا قوام، چلنے کے لیے ثابت قدمی ہے۔ اور رحموں کو ملاؤ کیونکہ صلہ رحم موت میں تاخیر اور تعداد میں افزونی کرتی ہے۔

سرکشی اور عقوق کو چھوڑو کیونکہ پہلے لوگ انہیں دو امروں سے ہلاک ہو گئے اور اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول کرو۔ اور سائل کو خالی نہ پھیرو کیونکہ ان دو صفتوں میں حیات و ممات کی بزرگی ہے۔ سچائی اور امانت کو لازم پکڑو کہ اِن میں خاص لوگوں کی محبت اور عام لوگوں میں عزت ہوتی ہے۔ اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تمہیں بہتری کی وصیت کرتا ہوں تحقیق یہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق ہے اور جتنی وصیتیں میں نے تمہیں کی ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے جامع ہیں تحقیق وہ ایسی چیز لائے ہیں جسے دلوں نے قبول کیا اور زبانیں خوف کے مارے منکر ہوئیں۔ اللہ کی قسم ہے کہ میں گویا عرب اور اطرف کے فقیر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ اُس کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ اُس کے کلمات کو سچا مانتے ہیں۔ اس کے حکم کی تعظیم کرتے ہیں پھر گو انہیں تکلیف پہنچی آخر الامر یہ ہوا کہ قریش کے سرداراُن کے آگے مکھیوں کی طرح ذلیل ہو گئے اور اُن کے

گھر بالکل ویران۔ پھر آخر اس وصیت کے یہ فرمایا کہ اے قریش کا گروہ حضرت کے لئے وُلاَت اور اُس کی جماعت کے مددگار بن جاؤ۔ اللہ کی قسم ہے کہ جو اس کے رستے میں چلتا ہے رشد حاصل کرتا ہے اور جو اسؔ کے ہدی سے متمسک ہوتا ہے سعید ہوتا ہے۔ اگر میری حیات دراز اور میری موت میں تاخیر ہوئی تو میں اس سے تکالیف اور مصائب کو دور کروں گا انتہی ملخصا۔

اے اس وصیت پر واقف ہونے والو دیکھو اور عبرت کرو کہ یہ جو کچھ ابو طالب نے فراست صادقہ سے جو اس کی تصدیق قلبی پر دلالت کرتی ہے کیسے عمدہ طور پر بیان کی ہے۔ ایک دفعہ انہیں یہ بھی کہا کہ جب تک تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے رہو گے اچھے رہو گے۔ اور جب تک اس کے حکم کی اطاعت کرتے رہو گے رشد میں رہو گے۔

## حضرت ابو طالب کا خطبہ

علاوہ براں ابو طالب نے خطبہ پڑھا اور اس میں ذکر کیا کہ تحقیق میرا بھتیجا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آدمی سے نہیں وزن کیا جاتا (مگر شرف، دانائی، فضیلت، عقل میں اس سے افزونی رکھتا ہے) اور اللہ کی قسم ہے کہ اُس کے بعد نباء عظیم اور خطر جسیم ہے اور یہ خطبہ ۱۵ برس بعثت سے پہلے پڑھا تھا۔ پس اے مخاطب ابو طالب کی فراست کا موازنہ تو کر کہ کیسے ہر ایک نیکی کو قبل از بعثت پالیا ہے جیسے اُس نے کہا تھا ویسا ہوا۔ یہ اُس کے ایمان اور تصدیق کی بھاری دلیل ہے۔

## حضرت ابو طالب کی تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلی تصدیق: بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ کہ قریش نے ابو طالب سے کہا کہ تیرے برادر زادہ نے ہمیں ایذا دی ہے۔ ابو طالب نے حضرت سے کہا کہ قریش زعم کرتے ہیں کہ آپ اُنہیں تکلیف دیتے ہو۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم

سورج کو میرے داہنے اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دو اس شرط پر کہ میں اس امر (تبلیغ) کو چھوڑ دوں۔ حتیٰ کہ میں غالب ہو جاؤں یا ہلاک ہو جاؤں تو میں نہیں چھوڑوں گا۔ پھر حضرت سے روتے ہوئے ابوطالب نے کہا اے میرے بھتیجے کہ جو تو دوست رکھتا ہے۔ اللہ کی قسم میں کبھی تجھے قریش کے سپرد نہ کروں گا۔ اور قریش کو مخاطب ہو کر کہا کہ میرے برادرزادہ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پس اے بھائی سوچ کہ ابوطالب نے دشمنوں کے سامنے قسم کھا کر کس بہادری سے حضرت سے کذب کی نفی کی ہے حالانکہ وہ شکایت لائے تھے۔ اور اس میں بھی خیال کر کہ اس طرح حضرت کو نہیں کہا کہ تو قریش کو ایذا دیتا ہے بلکہ یہ کہا کہ وہ زعم کرتے ہیں۔ اور ابوطالب نے کتنی احادیث اور کلمات حضرت سے بیان کئے ہیں جن سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا دل ایمان و توحید سے بھرا ہوا تھا۔

**دوسری تصدیق:** خطیب بغدادی نے باسناد امام جعفر صادق سے روایت کی ہے وہ اپنے والد امام محمد باقر سے اور وہ اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین سے اور وہ اپنے والد امام حسین سے اور وہ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ ابوطالب سے سنا، فرماتے تھے کہ مجھے اپنے بھتیجے محمد نے حدیث بیان کی اللہ کی قسم ہے کہ وہ سچے تھے یعنی میں نے حضرت کو کہا کہ آپ کس چیز کے ساتھ معبوث ہوئے ہیں فرمایا کہ رحم کے ملانے، نماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ کے دینے کے لئے۔ صلوٰۃ سے مراد یہاں وہ دو رکعتیں ہیں جو قبل طلوع شمس یا قبل غروب ابتداء اسلام میں تھیں یا تہجد کی نماز۔

یہ پانچ نمازیں نہیں جو اب پڑھی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ نمازیں ابوطالب کی وفات کے بعد معراج کی رات میں فرض کی گئی تھیں اور زکوٰۃ سے مراد مطلق صدقہ ہے یا

مہمانداری۔ زکوٰۃ شرعیہ معروفہ مراد نہیں۔ اور نہ زکوٰۃ فطر کیونکر یہ ہجرت کے بعد میں فرض ہوئی۔ اور ابوطالب اُس وقت زندہ نہیں تھے۔

**تیسری تصدیق:** خطیب نے باسناد ابی رافع اُم ہانی بنت ابی طالب کے غلام سے روایت کی ہے کہ اُس نے ابوطالب سے سنا، کہتے تھے کہ میرے برادر زادہ محمد نے مجھے حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے مجھے صلہ رحم کا حکم کیا اور یہ کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کروں۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ میرے بھتیجے میرے نزدیک صدوق اور امین تھے۔ اور ابورافع کہتے ہیں کہ ابوطالب کو میں نے یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ میرے ابن اخی کہتے تھے شکر کر تو رزق دیا جائے گا اور ناشکری نہ کر عذاب کیا جاوے گا۔

ابن سعد خطیب، ابن عساکر نے عمر بن سعید سے روایت کی ہے کہ ابوطالب کہتے تھے میں مقام ذی المجاز میں اپنے بھتیجے کے ساتھ تھا اور مجھے پیاس لگی میں نے ابن اخی سے شکوہ کیا اور نہ اس کے پاس میں کوئی چیز نہیں دیکھتا تھا۔ پس آپ نے زمین پر اُتر کر ایڑی لگائی اچانک پانی نمودار ہوا مجھے کہا اے چچا پی لیجئے میں نے پی لیا۔

برزنجی کہتے ہیں اگر وہ موحد نہ ہوتا تو اللہ اُسے وہ پانی کیوں پلاتا جو نبی کے لئے ہوا تھا اور یہ پانی کوثر اور زمزم سے افضل تھا۔ برزنجی فرماتے ہیں جو ایسا معجزہ دیکھے اُس کے دل میں کس طرح تصدیق نہ ہوگی۔ اور بھی بہت سے قرائن ہیں جو اس کی تصدیق پر دال ہیں۔

**چوتھی تصدیق:** ابن عربی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوطالب بیمار ہوئے اور حضرت اُس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ ابوطالب نے کہا اے ابن اخی۔

اللہ سے دُعا مانگ کہ اللہ مجھے عافیت دے حضرت نے فرمایا: "اللھم

اشف عمی" (اے اللہ میرے چچا کو شفا عطا کر) پس ابوطالب اُسی وقت شفایاب ہو کر کھڑے ہو گئے۔

## حضرت عبدالمطلب کا خواب

ابونعیم نے ابوبکر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ روایت کی ہے کہ ابی طالب عبدالمطلب سے حدیث کرتا تھا اُس نے نیند میں ایک درخت دیکھا کہ اُس کی پیٹھ سے نکلا اور آسمان تک پہنچا اور اس کی شاخیں مشرق مغرب میں پھیلیں اور کہا کہ میں نے ایسا روشن نور کوئی نہیں دیکھا۔ ستر گنا شمس سے زیادہ روشن تھا عرب وعجم سجدہ کرنے والے تھے اور وہ نور ساعت بساعت عظمت و نور وارتفاع میں بڑھتا جاتا تھا اور بعدازاں کبھی چھپتا کبھی ظاہر ہوتا۔ میں نے قریش کے گروہوں کو دیکھا کہ درخت کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں اور ایک گروہ قریش کا اُس کے کاٹنے کے درپے ہے لیکن جب اُس کے قریب ہوتا ہے تو ایک جوان خوبصورت اور خوشبوناک اُسے پکڑ لیتا ہے اور بڑا ذلیل کرتا ہے۔ عبدالمطلب کہتے ہیں میں نے ہاتھ بلند کیا کہ کچھ حصہ لوں مجھے نہ ملا کہا یہ کس کے نصیب میں ہے۔ جواب دینے والے نے کہا یہ اُن لوگوں کا حصہ ہے جو شاخوں کو چمٹے ہوئے ہیں۔

جب میں جاگا تو قریش کی کاہنہ کے پاس آ کر بیان کیا۔ میں دیکھتا تھا کہ کاہنہ کا منہ متغیر ہوتا جاتا تھا اور کہا کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو تیری پشت سے ایک آدمی ہوگا جو مشرق مغرب کا مالک ہوگا لوگ اُس کا دین قبول کریں گے۔ عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا کہ اُمید ہے کہ یہ وہی لڑکا ہوگا۔ ابوطالب جب یہ حدیث بیان کرتے تھے تو حضرت ﷺ مبعوث ہو چکے تھے اور کہتے تھے اللہ کی قسم ہے وہ درخت ابوالقاسم امین ہیں۔ جب ابوطالب نے یہ حدیث بیان کی تو اُسے کہا گیا کہ تو ایمان کیوں نہیں

لاتا۔ بولا کہ عداوت اور خار روکتی ہے گویا قریش کے لئے تقیہ کیا تاکہ قریش یہ سمجھیں کہ ابوطالب انہیں کے دین پر ہے اور نبی کی حمایت اور نصرت بے کھٹکے ہوتی رہے۔ کیونکہ جب تک قریش یہ سمجھتے رہیں گے کہ ابوطالب ہمارے دین پر ہے تو اُس کی حمایت ونصرت آنجناب کے حق میں قبول کرتے رہیں گے۔ اس کے خلاف میں برعکس ہو جائیں گے۔ یقینا یہ امر اسلام کے نہ ظاہر کرنے کے لئے بڑا بھاری عذر تھا۔ ابوسعید نے روایت کی ہے کہ جب ابوطالب قریب المرگ ہوئے تو بنی عبدالمطلب کو بلا کر کہا کہ جب تک تم محمد ﷺ کی باتیں سنتے رہو گے ہدایت ورشد پر رہو گے۔

علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب اس بات کو تو شناخت کرے کہ رشد وہدایت حضرت کی اتباع میں ہے اور قریش کو بھی آپ کی اطاعت کا حکم کرے اور خود محروم رہے۔

## حضرت ابوطالب کی حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کو وصیت

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لکھا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں اسلام لایا (ظاہر کیا) تو مجھے والد نے کہا کہ اپنے بھائی محمد ﷺ کے پاس رہا کر۔ مطلب یہ تھا کہ اسلام کے تمام فوائد حاصل ہوں کوئی فروگذاشت نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی اصابہ میں ہے کہ ابوطالب نے اپنے فرزند جعفر کو کہا جا اپنے چچے کے بیٹے محمد ﷺ کے پاس جا کر معیت میں نماز پڑھ اُس نے حضرت کے ساتھ نماز پڑھی جیسے جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے۔

علامہ برزنجی فرماتے ہیں اگر ابوطالب خود حضرت کی نبوت ودین کا مصدق نہ ہوتا تو اپنے دونوں لڑکوں علی وجعفر کو کیوں حضرت کی خدمت میں بھیجتا اور اُن کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم کرتا بلکہ عدم تصدیق کا مقتضی تو یہ تھا کہ اُلٹا انہیں روکتا۔ کیونکہ دینی

عداوت تمام عداوتوں پر سبقت رکھتی ہے۔کسی شاعر نے کہا ہے:

كل العداوات قد ترجى اماتهتا
الاعداوة من عاداك فى الدين

''ہر ایک دشمنی کے زائل ہونے کی اُمید کی جا سکتی ہے مگر اس
شخص کی عداوت جو تجھے دین میں دشمن رکھے۔''

یہ تمام اُمور ابوطالب کے مومن ہونے کے شاہد ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ابوطالب کا دل ''ایمان بالنبی'' سے پر تھا۔

تواریخ کی کتابوں میں مسطور ہے کہ ایک دفعہ ابوطالب نے شام کے سفر کا ارادہ کیا اور حضرت اُس وقت (۹) برس کے سن میں تھے انہیں ساتھ لے کر چل دیا۔ رستہ میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی تو اُس نے حضرت کو دیکھتے ہی ابوطالب کو خبر دی کہ اس میں نبوت کے آثار پائے جاتے ہیں اسے واپس لے جاو اِلّا یہود کی مخالفت کا خوف ہے۔ابوطالب بحیرا کے کہنے سے حضرت کو مکہ میں واپس لائے۔

فانظر ايها العاقل كيف حفظ النبى رضی اللہ عنہا ولا تكن من المتعصبين

## حضرت عبد المطلب اور حضرت ابوطالب کا توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب عبد المطلب کے زمانہ میں قحط ہوا تو عبد المطلب حضرت کو اپنے کندھے پر اُٹھا کر استسقا کرانے کے لئے لے گئے بہت ہی بارش ہوئی۔ابوطالب بھی وہاں موجود تھے اور خود ابوطالب نے بھی بعد وفات عبد المطلب حضرت کے وسیلہ سے استسقا کیا تھا۔جبکہ قریش نے اُس کی درخواست کی تھی اور یہ استسقا خاص بیت اللہ میں تھا اور حضرت کی عمر ابھی کچھ بہت بڑی نہیں تھی۔پس حضرت نے اُنگلی آسمان کی طرف کی بمجرد اس اشارہ کے ایسی بارش ہوئی کہ ملک سیراب

ہوگیا۔ حالانکہ قبل از استسقا آسمان بالکل بے ابر تھا۔ ابوطالب حضرت کے مبعوث ہونے کے وقت قریش سے ان خوارق عادات کاذکر کرتا اور یہ شعر سناتا۔

وابيض يستسق الغمام بوجهه

ثمال اليتامى عصمة للارا مل

يلوذبه الهلاك من ال هاشم

فهم في نعته وفواضل

ثمال بمعنی ملجاو غیاث یا طعام فی الشدۃ ہے ارامل سے مراد مساکین رجال و نساء ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ابوطالب حضرت کے صغرسن سے معجزات مشاہدہ کرتا رہا۔ یہاں تک روایت کی گئی ہے کہ ابوطالب باوجود مفلسی کے ذوعیال بھی تھا۔ جب لڑکے بالوں کو کھانا دیتا تو حضرت کو شامل کرلیتا کیونکہ جب حضرت شامل ہوتے تو کھانا اقل قلیل کیوں نہ ہو سارے سیر ہو جاتے۔ اگر اتفاقاً آپ کبھی شامل نہ ہوتے تو انہیں سیر ہونے میں بڑی مشکل ہوتی۔ یہی حال تمام ماکولات مشروبات میں تھا۔

## حضرت ابوطالب کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وشفقت

ابونعیم وغیرہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب آنجناب کو اپنے تمام فرزندوں سے پیارا رکھتے تھے۔ اور حضرت کو ساتھ لے کر جاتے۔ اگر آپ باہر تشریف لے جاتے تو ابوطالب بھی ساتھ ہولیتا۔ خود آنحضرت بھی اُسے دوست رکھتے اور اُس کے پاس آرام لیتے جب تک ابوطالب کی ملاقات نہ ہوتی بے چین رہتے۔ جب ابوطالب فوت ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ اُس کی زندگانی تک قریش اُن تکالیف اور صدمات میں طمع بھی نہیں کرتے تھے جو مجھے بعد وفات ابوطالب پہنچائیں اور یہ بھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ جن چیزوں کو میں مکروہ سمجھتا تھا قریش مجھے نہیں پہنچا سکے الا

ابوطالب کے انتقال کے بعد۔ چونکہ ابوطالب اور جناب خدیجۃ الکبریٰ کی ایک ہی سال میں وفات ہوئی حضرت نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا (یعنی غم واندوہ کا سال)۔

## حضرت ابوطالب کی حمایت ونصرت

جب حضرت کی نبوت لوگوں پر ظاہر ہوئی تو آپ کے دین میں لوگ بکثرت داخل ہونے لگے۔ قریش کو یہ ناگوار گزرا۔ آپ کے مار ڈالنے کے لئے ایک کمیٹی کی گئی جس میں یہ امر پاس ہوا کہ گو ہمیں دُگنی دیت دینی پڑے اس پیغمبر کا کام تمام کرنا چاہئے۔ چنانچہ بنی ہاشم کو یہ بات کہی گئی اور ساتھ ہی یہ کہا گیا کہ اس شخص کے مارے جانے پر صرف ہم نہیں بلکہ تم بھی مزے سے زندگی بسر کرو گے۔ لیکن بنی ہاشم نے صریح انکار کیا۔ پھر تو قریش زیادہ غضب میں آ کر لگے ہاتھ پاؤں مارنے۔ آخر کار یہ ٹھہری کہ ہم سب مل کر ابوطالب کے شعبوں کی طرف جائیں پیغمبر اور اس کے ساتھیوں پر تنگی کریں حتیٰ کہ انہیں بازاروں میں نہ آنے دیں۔ رشتہ ناتا بھی اُن کے ساتھ قطع کر دیں صلح مدارا بھی بالکل نہ کریں گو درخواستیں اُن کی طرف سے کیوں نہ آئیں۔ پھر خواہ مخواہ تنگ ہو کر محمد کو ہمارے سپرد کر دیں گے چنانچہ یہ جملہ امور مذکورہ ایک کاغذ میں لکھ کر کعبہ میں لٹکا دیا۔ ابوطالب کو جب یہ معلوم ہوا کہ قریش نے پیغمبر کے قتل پر اتفاق کر لیا ہے تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کر کے کہا کہ حضرت کے ساتھ شعبوں میں داخل ہو کر قریش کو دفع کرو۔ بجز ابوجہل سب کے سب مطیع ہوئے۔ قریش نے بھی یہ سن کر عہد نامہ مذکورہ کو اور مضبوط کر لیا۔ بنو ہاشم ۳ سال یا ۲ سال شعبوں میں رہے بڑی شدتیں اور سختیں جھیلیں۔ کھانے سے ایسے تنگ آئے کہ درختوں کے پتے اُن کی خوراک تھی۔ ابوطالب اتنی دراز مدت میں باوجود اس شدت وگرنگی کے حضرت کی غایت درجہ حفاظت کرتا رہا۔ جب رات ہوتی اور حضرت سونے کا ارادہ کرتے تو ان کے لیے فرش بچھاتا

اور آپ اُس پر آرام فرماتے۔ جب آپ کو نیند آ جاتی تو دوسرے بستر پر سلاتا اور اس بستر پر جو پہلے آپ کے لئے ہوتا کسی اپنے بیٹے کے لئے تجویز کرتا۔ یہ سارا معاملہ اور جفاکشی صرف حضرت کی محافظت کے لئے تھی۔

قریش میں سے جس نے عہد نامہ لکھا تھا اللہ نے اُس کے ہاتھ کو بالکل شل کر دیا اُدھر حضرت کو وحی ہوئی کہ دیمک نے عہد نامہ کو بجز اسم جل وعلا کھالیا ہے۔ قریش کی یہ عادت تھی کہ عہد نامہ یا خط وغیرہ لکھتے تو عنوان خط یہ ہوتا۔ باسمك اللهم۔ حضرت نے اپنے چچا ابوطالب کو وحی مذکور سے اطلاع دی۔ ابوطالب نے تمام قریش اور بنی ہاشم کا مسجد الحرام میں مجمع کیا۔ قریش سمجھے کہ اب بنی ہاشم عاجز ہو کر محمد ﷺ کو ہمارے سپرد کرتے ہیں۔ پھر لگے وہ بنی ہاشم کو روکنے کہ تم بے فائدہ ضد پر اڑے رہے۔ یوں اور یوں۔ ابوطالب نے کہا صبر کرو ترش مزاجی کو چھوڑو ہم یہاں انصاف کے لئے آئے ہیں۔ مجھے میرے بھتیجے محمد علیہ السلام نے خبر دی (اور یہ بالکل صادق غیر کاذب ہے) کہ تمہارے عہد نامہ کو دیمک نے صاف کر دیا ہے صرف اللہ کا نام اس میں باقی ہے نہ کچھ اور۔ اگر یہ بات واقعی ہے تو تم اپنی بدرائی کو چھوڑ دو ورنہ یہ یاد رکھو کہ ہم نبی کا بازو تو کبھی تمہارے حوالہ نہیں کریں گے گو مر ہی کیوں نہ جائیں۔ ہاں اگر وہ جھوٹا نکلے تو لے لو پھر تمہاری مرضی چاہو اُسے مارو چاہو زندہ رکھو۔

قریش نے کہا کہ بے شک یہ بات قرین انصاف ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ پس وہ عہد نامہ دیکھا گیا تو واقعی حضرت کے فرمودہ کے مطابق نکلا۔ جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب بازی لے گئے تو ہراساں ہو کر کہا کہ تیرے بھائی کا بیٹا بڑا جادوگر ہے۔ تعصب میں آ کر پہلے سے بھی زیادہ جفا کار ہو گئے لیکن چند قریش نادم ہو کر معترف خطا ہوئے۔ ابوطالب نے رفقا کو شریک کر کے کعبہ کے پردوں کے نیچے کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی:

اللهم انصرنا علی من ظلمنا و قطع ارحامنا و
استحل مایحرم علیه منا۔

القصہ یہ واقعات بڑے لمبے چوڑے ہیں ان کی تفصیل اس مختصر رسالہ میں نہیں آ سکتی۔خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کو بہت سے حضرت کے خصوصیات معجزہ وغیرہ سے واقف کیا ہوا تھا جن کے سبب سے اُس کا دل ایمان اور تصدیق بالنبیا سے بھرا ہوا تھا۔اس میں شک وشبہہ کو گنجائش نہیں۔باقی رہا یہ امر کہ وہ اسلام کو ظاہر نہ کرتا تھا سو وجہ اس کی کرات مرات گزر چکی ہے کہ آں جناب کی صیانت وحمایت اس سے مقصود تھی لاغیر۔

## حضرت ابوطالب کے ایمان افروز اشعار

ابوطالب کے چند اشعار اس رسالہ میں گزر چکے جن سے اس کے ایمان کی صداقت معلوم ہوتی ہے اور چند اشعار اور بھی ''اسنی المطالب'' کے مندرجہ شعروں سے لکھے جاتے ہیں تا کہ اطمینان کلی حاصل ہو۔

والله لن یصلوا الیك بجمعهم
حتی اوسد فی التراب دفینا
فاصدع بامرك ما علیك عضاضة
و ابشر بذاك وقرمنك عیونا
و دعوتنی و علمت انك صادق
و لقد صدقت و کنت ثم امینا
و لقد علمت بان دین محمد
من خیرادیان البریة دینا

''اللہ کی قسم ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں وہ تیری طرف نہیں
پہنچ سکیں گے جو تیرا کام ہے ظاہر کر تجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔
اس سے خوش ہو اور آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہوتی رہیں تو نے مجھے
عزت کی اور میں نے معلوم کیا کہ تو سچا ہے اور بے شک تو سچا اور
امین ہے تحقیق میں نے جان لیا ہے کہ محمد کا دین تمام دینوں سے
اچھا ہے۔'' (حاشیہ)

یہ شعر ابو طالب نے تب کہے تھے جب قریش نے ایک خوبصورت جوان ابو طالب کو لا کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اس کو ہم سے لے کر اپنے پاس رکھ اور محمد ﷺ کو ہمیں دے تاہم اُسے قتل کریں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بدوی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور خشک سالی کی شکایت کی اور چند شعر بھی پڑھے۔ حضرت نے منبر پر چڑھ کر آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے ابھی حضرت نے ہاتھ سمیٹے نہیں تھے کہ بجلی چمکی اور بادل گرجا اور ایسی بارش ہوئی کہ لوگوں کو ملک کی بربادی کا خوف ہوا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ حال کی عرض کی۔ آپ نے دُعا فرمائی "اللھم حوالینا لا علینا" یعنی اے اللہ اس بارش کو ہمارے اِدھر اُدھر یعنی پہاڑوں اور جنگلوں میں برسا نہ ہم پر۔ اور آپ ایسے ہنسے کہ اخیری دانت آپ کے نمودار ہوئے۔ بعد ازاں آپ نے یہ فرمایا کہ اللہ کے لئے ہے خوبی ابو طالب کی اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن کی آنکھیں میرے اس استسقاء کے دیکھنے سے ٹھنڈی ہوتیں۔ پھر یہ بھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی ہے جو ہمیں اُس کا شعر سنا دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس وقت موجود تھے وہ اس پہیلی کو سمجھ گئے اور عرض کی آپ شعر سے یہ شعر مراد رکھتے ہیں۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجھه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

برزنجی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اے انصاف پسند دیکھ کہ حضرت نے بعد وفات ابوطالب کیسی اُس کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ میرے اس فعل سے خوش ہوتا اور اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اُس کے دل میں حضرت کی نبوت صدیق اور آپ کے کمالات کا علم نہ ہو اور اُس کی آنکھیں آنحضرت کے اقوال و افعال سے ٹھنڈی ہوں اور آپ لِلّٰہِ دَرابی طالب کا کلمہ اس کے حق میں ارشاد فرمادیں بلکہ یہ بھی ساتھ فرمادیں کہ کون ہے جو ہمیں اُس کا شعر سنادے۔ اے قاری تو ان معانی دقیقہ میں فکر کر اور کسی محقر کی حقارت کی طرف نہ دیکھ اور یہ سمجھ لے کہ

فوق کل ذی علم علیم

کسی موقعہ پر ابوطالب نے یہ قصیدہ بھی پڑھا تھا جس سے اُس کی تصدیق قلبی کا یقین ہوسکتا ہے۔ اس کے شعروں میں سے ہے۔ یہ شعر

وان فخرت یوما فان محمدا

هو المصطفی من سرها و کریمها

فان حصلت انساب عبد منافها

ففی هاشم اشرافها و قدیمها

اِن شعروں کا مضمون بعینہ اُس حدیث کا مضمون ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بنی ہاشم سے برگزیدہ کیا اور حدیث قرآن شریف کی طرح ہوتی ہے حدیث کا ماننا گویا قرآن کا ماننا ہے اور یہ اُس کی تصدیق ونجات کے لئے کافی دلیل ہے۔ علامہ قرانی شرح تنقیح میں ابوطالب کے اس شعر کی نسبت

وقد علموا ان ابننا لا مکذب

لدینا ولایعزی لقول الا باطل

"یعنی قریش نے معلوم کرلیا ہے کہ میرا بیٹا محمد ﷺ نہ دین میں
جھوٹ کہنے والا ہے اور نہ کسی جھوٹے قول کی طرف جھکنے والا ہے۔"

تحریر کرتے ہیں جو اُس نے کسی موقعہ پر کہا تھا کہ اُس سے ابوطالب کی تصدیق اور اقرار لسانی دونوں پائے جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظاہر باطن مسلمان تھا لیکن بسبب چند اعذار صحیحہ کے پورے طور پر اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرتا تھا۔ اور یہ تو اُس نے کرات مرات کہا تھا کہ میرا بھتیجا حق پر ہے حالانکہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو اُسے دوزخ سے نکال لیجئے۔ الخ۔ یہ حدیث اور دوسری وہ حدیثیں جو اس کے ہم معنی ہیں تمام اس امر کی مصرح ہیں کہ اقرار لسانی نجات کے لئے شرط نہیں اور نہ اسے نجات میں کچھ دخل ہے۔ والا منافق جہنم کے درک اسفل میں کیوں ڈیرے لگاتے۔ برزنجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابوطالب کی نجات متکلمین اور اشاعرہ کے طریقہ پر خوب ثابت کردی ہے۔

## حضور ﷺ حضرت ابوطالب کی شفاعت کریں گے

اور ابوطالب کا مشرک نہ ہونا بھی حدیثوں سے پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بالاتفاق صحیح ہو چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کی شفاعت کریں گے اور اُسے فائدہ بھی دیں گے۔ چنانچہ یہ مضمون بخاری شریف میں موجود ہے۔ قریب ہے کہ ہم آگے ذکر کریں گے۔ اور قرآن شریف میں ہے: **وما تنفعهم شفاعة الشافعين.**

یعنی کافروں اور مشرکوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی۔

اور حدیث میں ہے کہ میرے شفاعت بجز مشرک ہر ایک کو پہنچے گی۔ جب یہ ثابت ہوا کہ شفاعت ابوطالب کو فائدہ دے گی تو یہ خواہ مخواہ ماننا پڑے گا کہ ابوطالب

مشرک نہیں تھے۔ وھو الحق الصریح۔

## عدم نجات ابی طالب پر احادیث کا تحقیقی جائزہ

''منکرین نجاتِ ابوطالب جن حدیثوں سے ابوطالب کا کفر ثابت کرتے ہیں اُن پر بحث۔ بخاری میں حضرت عباس سے لکھا ہے کہ اُس نے حضرت کی جناب میں التماس کی کہ ابوطالب جو آپ کی محافظت ونصرت کیا کرتے تھے اور آپ کے اعدا سے خفا بھی ہوتے کیا اسے یہ بات فائدہ دے گی آپ نے فرمایا ہاں وہ آگ کے انبوہوں میں تھا میں نے اُسے ضحضاح کی طرف نکال دیا۔ یعنی اب وہ اُس آگ میں ہے جو اُسے ٹخنوں تک ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہوتا۔ اور بخاری ومسلم میں اس طرح بھی آیا ہے کہ حضرت کے نزدیک ابوطالب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُمید ہے کہ میری شفاعت اُسے پہنچے گی اور اُسے اُس آگ میں منتقل کیا جائے گا کہ جو اُسے ٹخنوں تک ہے۔ تاہم اس سے اُس کا دماغ جوش مارے گا۔ الخ۔

''مسلم وغیرہ میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ کل دوزخیوں سے ابوطالب کا عذاب تخفیف ہوگا۔'' (حاشیہ)

## منکرین کی وجہ استدلال اور اس کی تردید

منکران احادیث فرماتے یہ آگ میں رہے گا باقی رہی نصرت وغیرہ وہ حمیۃً للقوم تھی اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ علامہ برزنجی جواب دیتے ہیں کہ نفس احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالب کو نجات ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار کو عذاب میں تخفیف نہ ہوگی نہ وہ دوزخ سے نکلیں گے نہ انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ مند ہوگی۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جحیم دوزخ کا وہ طبقہ ہے

جس میں گنہگار مومن معذب ہوں گے اور جحیم ہے بھی جہنم کا اوپر لا طبقہ اور گنہگاروں کو بہ نسبت کفار عذاب بھی کم ہوگا۔ اب انصاف کرنا چاہئے کہ جب حدیث صحیح میں ثابت ہو چکا کہ ابوطالب علی الاطلاق تمام ناریوں سے عذاب میں کم ہوں گے تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ عصاۃ مومنین سے بھی اسے کم عذاب ہوگا۔ والا کیسے صادق آوے گا قول آنجناب کا کہ ابوطالب ناریوں سے اخف عذاب میں ہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ ابوطالب کافر ہے اور ہمیشہ آگ میں رہے گا تو ضروری ماننا پڑے گا کہ کافر کا عذاب گنہگار مومن کے عذاب سے کم ہو۔ ولم یقل بہ احد۔

پس اس تقریر سے بخوبی ثابت ہوا کہ ابوطالب مومن تھے اور آخر کار نجات پائیں گے اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ طبقہ جحیم آخر کار بجھا دیا جائے گا کیونکہ یہ طبقہ مومنین مذنبین کے عذاب کرنے کا ہے اور ابوطالب بھی اسی طبقہ میں ہیں جب مومن اس سے نکالے جائیں گے تو اُس کا باقی رہنا بے فائدہ ہے۔ بلکہ یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ یہاں جرجیر (تارا میرا) اُگائی جائے گی۔ پس ضرور ہوا کہ جیسے دوسرے مومن جحیم سے نکالے جائیں ویسے ابوطالب بھی۔ بلکہ بطریق اولیٰ کیونکہ یہ اُن سے بہت کم عذاب میں تھا۔ برزنجی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دلائل نہایت صحیح ہیں۔

## شفاعت ابوطالب کے بارے میں احادیث

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری روایت میں یہ شرط ہے کہ مشرک باللہ نہ ہو۔ علم نحو میں کہا گیا ہے کہ لام اختصاص کے لئے ہوتا ہے تو حدیث مذکور گویا یوں ہوئی کہ شفاعت میری اہل کبائر لئے ہے نہ غیر اہل کبائر کے لئے۔ مشرک و کافر دونوں خارج سمجھے گئے۔ قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے کہ

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ
يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

''تو انہیں سفارشیوں کی شفارش کام نہ دے گی بے شک اللہ اسے
نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے
جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔''

جب مشرک بخشا ہی نہیں جاتا تو شفاعت اسے فائدہ کیا دے گی کیونکہ ہر ایک عذاب جو کسی گناہ کے مقابلہ پر ہو جب تک وہ نہ بخشا جائے عذاب کیسے دور ہو۔ چونکہ وہ دور نہ ہوا شفاعت شافعین بھی بیکار ٹھہری۔ کلمہ الشافعین محلے بالام عموم کا فائدہ دیتا ہے جس میں ہمارے نبی کی شفاعت بھی داخل ہے۔ پس جس طرح کفار کو دوسرے شفعاء کی شفاعت فائدہ نہ دے گی اس طرح ہمارے نبی کی شفاعت بھی کفار کے حق میں سودمند نہ ہوگی۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ابوطالب کے لئے حضرت نے شفاعت کی اور شفاعت نے اُسے فائدہ بھی دیا۔ پس معلوم ہوا کہ ابوطالب گنہگار ہے نہ کافر اور جو گنہگار ہیں دوزخ سے نکل کر بہشت میں داخل ہوں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ابوطالب بھی دوزخ سے نکل کر بہشت میں داخل ہوں گے۔ ابن سعد و ابن عساکر کی حدیث کا غالباً یہی مدعا ہوگا کہ حضرت نے فرمایا:

ارجو له (ابوطالب) من ربي كل خير۔

یعنی ابوطالب کے لئے میں رب سے ہر نیکی کی اُمید رکھتا ہوں۔

یہ نہ کہا جائے گا کہ اس سے تخفیف عذاب مراد ہے۔ کیونکہ یہ نیکی نہیں چہ جائے کہ کل نیکی۔ اگر یہ مراد ہوتی تو اس کا نام تخفیف الشر ہوتا نہ کل الخیر۔ کل خیر دخول جنت ہے، نہ غیر۔ امام رازی نے اپنے فوائد میں ایسے اسناد سے روایت کی ہے جو مناقب میں معتبر ہے کہ حضرت نے فرمایا قیامت کے دن میں اپنے والدین اور چچا ابوطالب

اور اس بھائی کے لئے جو زمانہ جاہلیت میں تھا شفاعت کروں گا۔

## حضرت ابوطالب کے دخول نار کی توجیہ

ابونعیم کہتے ہیں کہ یہ حضرت کا رضاعی بھائی تھا۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جن میں کہا گیا ہے کہ ابوطالب نار میں ہے۔ علامہ برزنجی کہتے ہیں بڑی بھاری غلطی ہے کہ نار کے لفظ سے ابوطالب کو ناری خلودی کہا جائے۔ کیونکہ بعض مومنوں کے حق میں ایک ہی گناہ کے باعث دخول نار کا حکم لگایا گیا ہے۔ نار ایک ایسا اسم جنس ہے جو جہنم کے تمام طبقوں کو شامل ہے۔ صرف دخول نار سے داخل ہونے والے کا کافر ہونا لازم نہیں آتا۔ ورنہ غال، عاق وغیرہ وغیرہ کو بھی ایسا کہنا پڑے گا۔ ولم یقل احد۔ لیکن یہ سوال ہوگا کہ جب ابوطالب بے قصور ٹھہرایا گیا تو عذاب کی کیا وجہ؟ تصدیق قلبی تو یہی ہے جو اُسے حاصل تھی۔ دوسرے احکام اس کی زندگانی کے عرصہ میں نازل نہیں ہوئے تھے تو جواب یہ ہے کہ عذاب اُسے بہ سبب ترک نطق بالشہادتین یا کسی کو ایذا دہی یا قرض وغیرہ حق العباد کے دینے یا خیانت پر ہوگا۔ نطق بالشہادتین کے ترک کی وجہ تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس بارہ میں روایات مختلف ہیں۔ باقی وجہیں البتہ صحیح ہیں جب ابوطالب قریب المرگ ہوا تو اس کے پاس ابوجہل وعبداللہ بن اُمیہ موجود تھے حضرت نے ابوطالب کو فرمایا کہ اے میرے عم لا الہ الا اللہ کہہ کہ میں اللہ کے نزدیک اس سے حجت پکڑوں گا۔ ابوجہل وعبداللہ نے ابوطالب کو کہا کیا تو عبدالمطلب کی ملت سے روگردانی کرتا ہے۔ اور حضرت بار بار کلمہ طیبہ کا ذکر ابوطالب کو کرتے رہے۔

## اقرار باللسان پر حضرت عباس کی شہادت

آخرکار اُس نے یہ کہا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں اور کلمہ کہنے سے انکار کیا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اُس نے کہا اگر مجھے قریش کا خوف نہ ہوتا تو

میں ضرور کلمہ کہتا لیکن اب عباس کی حدیث میں ہے کہ میں ابوطالب کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا اور نیچے ہو کر کان لگایا تو کلمہ پڑھ رہا تھا۔ اسناد اس کی البتہ ضعیف ہے۔

## صاحب درمختار کا فتویٰ

درمختار میں ہے کہ اگر کسی کا اسلام ضعیف روایت سے بھی ثابت ہو تو اُس کو مسلمان کہا جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ ابوطالب نے اُس وقت یہ سمجھا ہو کہ ابوجہل وابن اُمیہ کے سامنے کلمہ نہ پڑھنا قرین مصلحت ہے جب وہ چلے گئے تو باوجود ناتوانی کے کلمہ سے ہونٹ ہلائے کما شھد ابن عباس۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث میں "انا علی ملة عبدالمطلب" اُس نے اس لئے کہا کہ وہ مسلمان تھا جیسے علامہ سیوطی نے متعدد رسائل میں اس بات کا اظہار کیا ہے۔ اور کلمہ ابوجہل وابن اُمیہ کی استمالت کے لئے نہ پڑھا۔

## عدم نجاتِ ابی طالب پر آیات کا تحقیقی جائزہ

منکرین نجات ابوطالب یہ آیت بھی اس کے کفر پر لگایا کرتے ہیں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (القصص:۵۶)

"یعنی تو جسے دوست رکھے ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرے۔"

اور اس کا نزول ابوطالب کے حق میں بیان کیا گیا ہے۔

علامہ برزنجی فرماتے ہیں تعجب ہے کہ اس کو انہوں نے کفر کی دلیل بنایا اور یہ نہ خیال کیا کہ اس آیۃ شریفہ کا ابوطالب کے حق میں نازل ہونا اس امر کا منافی نہیں کہ

اللہ نے اسے بعد میں ہدایت کر دی ہو۔ یہ حدیث بھی منکرین نجات اپنے دعوے کے لئے پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنجناب ﷺ کو اپنے والد کے انتقال کی خبر دی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوں کہا کہ آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا آپ نے فرمایا کہ تو جا اور اُسے نہلا کر دفن کر خدا اُسے رحمت و مغفرت کرے۔

اِن روایات پر منکرین یہ تقریر کرتے ہیں کہ اگر مسلمان ہونا ابوطالب کا حضرت کو معلوم ہوتا تو کیوں آپ جنازہ کے ساتھ تشریف نہ لے جاتے اور کیوں نہ نمازہ پڑھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گمراہ کا کلمہ کہنے سے کیوں نہ روکتے۔ برزنجی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ تو ابھی شروع نہیں ہوئی تھی اور آپ یہ سبب اجتماع سفہاء قریش نہ گئے کہ کہیں فساد نہ ہو جائے۔ اور گمراہ کا لفظ پہلی حدیث سے منافات نہیں رکھتا شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ سفہاء قریش کی مداراۃ کے لئے کہا ہو گا۔ حضرت نے بھی منع نہ فرمایا۔

''اور ابوطالب کے لئے رحمت اور مغفرت کی دُعا کرنی صریح اس کے مومن ہونے کی دلیل ہے۔'' (حاشیہ)

اگر کوئی یہ کہے کہ علماء نے ایک نوع شفاعت کا مخصوص بالنبی مقرر کیا ہے اور وہ کفار کے حق میں بیان کرتے ہیں اور اس کی مثال میں ابوطالب کے تخفیف عذاب کی حدیث پیش کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ تقرر حدیث کے خلاف ہے جو آپ نے فرمایا کہ میری شفاعت کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہے۔ دوسری روایت میں ہے مشرک کے لئے نہیں کہا دوم یہ کہ یہ تقرر اُن لوگوں کی من گھڑت ہے جو ابوطالب کو کافر کہتے ہیں۔ اور ہم نے اُس کا ایمان ثابت کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ ثابت کیا ہے کہ ابوطالب کی شفاعت حضرت نے باعتبار معصیت کی نہ باعتبار کفر۔ علاوہ براّں جن لوگوں نے یہ نوع شفاعت کا مخصوص بالنبی کہا ہے وہ بجز ابوطالب کوئی اور واقعہ پیش نہیں کر سکتے اگر کوئی ہے تو بتلاویں تاکہ ہم اُس میں نظر کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ

کفار سے مراد کفار ظواہر ہوں۔ اگر کفار سے مراد کافر ظاہر نہ لئے جائیں تو لازم آوے گا کہ قولہ تعالیٰ

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به مخصوص ہے یعنی ابوطالب اس سے مُستثنیٰ ہیں اور اس کا کوئی قائل نہیں اور آیۃ

ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفرو اللمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لهم انهم اصحاب الجحیم۔

کا نزول بھی ابوطالب کے حق میں بیان کیا گیا ہے یعنی نبی اور مومنوں کو مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش مانگیں گو وہ اُن کے خویش واقربا ہوں بعد اس کے کہ انہیں ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔

## آیت مذکورہ کا شان نزول

برزنجی صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے اُن احادیث کا جو اس آیۃ شریفہ کے نازل ہونے کا سبب بیان کرتی ہیں تتبع کیا تو تین سبب معلوم ہوئے۔

اوّل یہ کہ آیہ مذکورہ ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

دوسرا یہ کہ حضرت کی والدہ کے حق میں اُتری۔

تیسرا یہ کہ مومنین کے اُن آباء کے حق میں آئی جو بحالت کفر فوت ہو گئے تھے اور اولاد اُن کے لئے استغفار کرتی تھی۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ سبب دوم بالکل ضعیف ہے اور سبب اوّل میں رُواۃ کا اختصار ہے اور سبب ثالث صحیح ہے۔ وجہ یہ کہ آیۃ مذکورہ مدنی ہے اور نیز ہے بھی اُسی سورہ میں جو مدینہ میں تبوک کی لڑائی کے بعد نازل ہوئی اور ابوطالب قبل نزول آیۃ

وفات پاچکے تھے۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، ابویعلیٰ، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی الحاتم، ابوالشیخ نے باسناد صحیح روایت کی ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اپنے والدین کے لئے استغفار کرتا تھا حالانکہ وہ شرک کرتے کرتے فوت ہوئے تھے۔ میں نے اُسے کہا کہ تو مشرک ماں باپ کے لئے استغفار کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے مغفرت نہیں طلب کی تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت سے جا کر بیان کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

برزنجی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ روایت نہایت صحیح ہے۔ حاکم نے بھی اس کی تصحیح کی ہے اور ایسے ہی ابن جریر، ابن ابی حاتم نے بروایت صحیح ابن عباس سے روایت کی ہے کہ لوگ اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت مانگا کرتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بھی بہت سی حدیثیں اس مضمون کی ہیں جو بسبب طوالت ترک کی گئیں۔ پس ارجح بات یہی ہے کہ سبب نزول آیہ کا ثالث ہے نہ اوّل وثانی اور یہ جو ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں کہ سبب اوّل میں راویوں نے اختصار کیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب حضرت ﷺ نے ابوطالب پر کلمہ پیش کیا اور اُس نے ابوجہل وعبداللہ کے لحاظ سے یہ کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں اور کلمہ پڑھا۔ (جیسے گزرا) تو حضرت نے فرمایا کہ میں ابوطالب کے لئے بخشش مانگتا رہوں گا۔ جب تک کہ منع نہ کیا جاؤں مسلمانوں نے جو یہ سنا کہ حضرت اپنے چچا کے لئے بخشش مانگتے ہیں تو لگے اپنے مشرکین آباء کے لئے استغفار کرنے تب یہ آیت اُتری۔

راوی سے جو شان نزول پوچھا گیا تو اُس نے اتنی بات پر اختصار کیا کہ حضرت نے فرمایا تھا میں ابوطالب کے لئے بخشش مانگتا رہوں گا جب تک منع نہ کیا

جاؤں اور آگے کا فقرہ چھوڑ دیا سننے والے کو بوجہ ذکر ابوطالب کے سمجھا گیا کہ یہ نازل بھی ابوطالب کے حق میں ہوئی۔ حالانکہ جو اُس نے سمجھا واقع میں ایسا نہیں تھا۔ اس پر بہت سی حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ اور بڑا بھاری ثبوت اس کا یہ ہے کہ آیہ مذکورہ مدنی ہے جو ابوطالب کی وفات سے (۱۲) سال بعد نازل ہوئی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ نزول آیۃ کا بحق ابی طالب صحیحین میں ہے تو جواب یہ ہے کہ ترجیح صحیحین کی علی الاطلاق نہیں بلکہ کبھی غیر صحیحین پر مقدم ہوتی ہے۔ کما صرح فی الاصول۔

پس جو لوگ انصاف کے زیور سے آراستہ ہیں وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے نہایت ہی ٹھیک اور راستی پر مبنی ہے۔ کسی آیت یا حدیث کی تعطیل نہیں کی بلکہ جو حدیثیں یا آیتیں ابوطالب کے حق میں بیان کی گئی تھیں اُن کے ہم نے وہ معانی مستحسنہ بیان کیے ہیں جو اشکال کو زائل اور جھگڑے کو دور کرتے ہیں اور آنجناب کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔ ابوطالب کے بغض و تنقیص سے سلامتی ہوتی ہے اور حضرت ابوطالب کی تنقص ایذاء رسول کے مترادف ہے یہ بات تو مسلمانوں نے غالباً مانی ہوئی ہے کہ ابوطالب کے بغض و تنقیص سے شفیع المذنبین کو ایذا ہوتی ہے اور ایذاء الرسول سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے قرآن شریف میں مذکور ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

”جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٥٧﴾ (الاحزاب:۵۷)

''تحقیق جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لئے اہانت دار عذاب تیار ہے۔''

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

''جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ اور رسول کی لعنت ہے دنیا وآخرت میں۔''

امام احمد بن حسین موصلی حنفی جو ابن وحشی کے نام سے مشہور ہیں اپنی شرح میں جو شہاب الاخبار مؤلفہ علامہ محمد بن سلامۃ پر لکھی ہے تحریر کرتے ہیں کہ ابوطالب کا بغض کفر ہے۔ علامہ اجھوری نے اپنے فتاوے میں اور تلمسانی نے شفا کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ابوطالب کا ذکر بجز اس کے کہ وہ حضرت کی حمایت اور نصرت کیا کرتا تھا نہ کیا جائے کیونکہ اُس کی برائی کرنے میں حضرت کو ایذاء ہوتی ہے اور نبی کو ایذا دینے والا کافر ہے اُسے مار ڈالا جائے۔ علامہ ابوطاہر نے کہا ہے کہ جس نے ابوطالب سے بغض رکھا وہ کافر ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبی کو ایذا دینا کفر ہے۔ اس کے فاعل کو اگر توبہ کرے تو قتل کرنا چاہئے۔ اور مالکیوں کے نزدیک اُسے قتل کیا جائے گو وہ توبہ بھی کرے۔

طبرانی وبیہقی نے روایت کی ہے کہ ابولہب کی بیٹی مدینہ عالیہ میں بعد از اسلام ہجرت کرکے آئی لوگوں نے اسے کہا کہ تیری ہجرت تجھے کس کام آوے گی تو تو بنت حطب النار ہے۔ پس وہ اس بات سے ملول خاطر ہوئی۔ جب حضرت کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ بہت غصہ ہوئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کیا حال ہے لوگوں کا کہ مجھے میری قرابت ونسب میں ایذاء دیتے ہیں۔ پس جس شخص نے میری نسب وقرابت میں ایذادی پس اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذادی تحقیق اس نے اللہ کو ایذادی۔

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے ایک بال کو بھی ایذا دی تو اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی تو اُس نے تحقیق اللہ کو ایذا دی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابو طالب کے ساتھ بغض رکھنا اور اس کے حق میں (بری) کلام کرنی گویا پیغمبر علیہ السلام اور اس کی اولاد موجودہ کو ہر ہر زمانہ میں ایذا دینا ہے۔ حالانکہ حضرت نے فرمایا ہے کہ زندوں کو مُردوں کے برا کہنے سے ایذا نہ دو۔ اِس سے زیادہ کیا ایذا ہوگی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو طالب کی موت پر گریہ کریں اور یہ کلمات فرمادیں کہ خدا اُسے بخشے اور رحم کرے۔ اور اُمت اُسے کافر اور بے ایمان کہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابو داوٗد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن جارود میں ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لما مات ابوطالب اخبرت النبی ﷺ بموتہ فبکیٰ وقال اذھب فغسلہ و کفنہ وواراہ غفر اللہ لہ ورحمہ۔

احمد بن دحلان فرماتے ہیں:

ان کثیرا من العلماء المحققین و کثیرا من الاولیاء العارفین ارباب الکشف قالوا بنجاۃ ابی طالب منھم القرطبی والسبکی والشعرانی و خلائق کثیرون۔

بہت علماء محققین واولیاء عارفین ارباب کشف نے ابو طالب کے ناجی ہونے کا فتوی دیا ہے۔ انہیں سے ہے، امام قرطبی، امام سبکی۔ علامہ شعرانی و دیگر بہت مخلوق۔
اور بعض عارفوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اہل کشف کے نزدیک ابو طالب کا

ایمان ایسا یقینی ہے کہ شک کو بھی اس میں گنجائش نہیں۔ اور یہ قول منکرین نجات کا کہ

ولا تسئل عن اصحاب الجحیم۔

ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی بالکل غلط ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ صراحۃً آچکا ہے کہ یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابوحیان فرماتے ہیں کہ آیت کا سیاق وسباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ علامہ ابوسعود نے بھی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العالمین سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انك رؤفٌ رحیم۔

## ضمیمہ از مترجم عفی اللہ عنہٗ

**حدیث شریف:**

ترکت فیکم ما ان اخذتم و فی روایۃ ما ان تمسکتم به لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ فرمودند بدستے من گذاشتہ ام درشما چیزئے راکہ اگر بگیرید آں را یا چنگ زنید شما بدان وعمل کنید بدان ہرگز گمراہ نشوید کتاب خدا و اہل بیت خود را۔ سنن چند صحابہ سے رفعاً راوی ہیں: آنجناب نے فرمایا:

مثل اهل بيتي كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك۔ وفي رواية غرق و في رواية في النار۔

''تمہارے درمیان میری اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اُس پر چڑھا (جس نے اہل بیت علیہم السلام کے فرمودہ کے مطابق عمل کیا خلاصی پائی ہو (یعنی اہل بیت کے فرمودہ کے موافق عمل نہ کیا) ہلاک ہوا۔ یا ڈوبا یا آگ میں داخل ہوا۔''

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت علیہ السلام سے تمسک کرتے اور مشکل سے مشکل مسئلہ کیوں نہ ہو انہیں سے پوچھتے۔ حضرت ابن عباس باوجودیکہ مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں حضرت عمر تو عموماً فرمایا کرتے تھے کہ خدا نہ کرے کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوں۔ بلکہ یہ فرماتے "لو لا علي لهلك عمر" اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جو عالم بالحدیث پر پوشیدہ نہیں۔ افسوس کہ یہ وصیت آنجناب ﷺ کی لوگوں کو فراموش ہوگئی۔ چونکہ ایمان حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اہل بیت علیہ السلام کے نزدیک مسلم اور ثابت ہے علاوہ براں احادیث کا مقتضی بھی یہی تھا اور صوفیہ کرام بھی علی العموم اسی کے قائل تھے۔ محدثین مثل سیوطی۔ قرطبی۔ سبکی شعرانی بھی اسی طرف تھے طبع یہ چاہیے تھا کہ اختلاف کا نام بھی نہ ہوتا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج میں روضۃ الاحباب سے نقل کر کے تحریر کرتے ہیں کہ زعم اهل بيت آنست كه ابو طالب مسلمان از دنيا رفته۔ طرفہ یہ کہ یہ لوگ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں اُن کی پاس کوئی دلیل نہیں۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں علامہ ابن حجر عسقلانی

سے زیب رقم کرتے ہیں:

وهو هذا شیخ ابن حجر عسقلانی گفته که انشاء ابی طالب این شعر را وابیض یستسقی الغمام بوجهه بعد از بعثت ست۔۔۔ ابوطالب آنحضرت را مدد بسیارے از اجنار آمد وباین تمسك کرده اند شیعه براسلام وے و گفته که دیدم مرعلی بن حمزه نصری را و کتابی که جمع کرده ست دروے اشعار حضرت ابوطالب وزعم کرده که دی مسلمان بود و براسلام رفته است از عالم۔ حشویه زعم کرده مذکه دے کافر مرده واستدلال کرده اند بردعوے بچیز یکه نیست دلالت بران۔

سیرۃ ابن ہشام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب مسلمان تھا۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان طبیعت بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مدارج میں آخر بیان ابوطالب رضی اللہ عنہ میں یہ حدیث لکھی ہے کہ

عباس رضی اللہ عنہ سر خور۔۔۔ او برد و شنید ازے و کلمه شهادت و بحضرت رسانید پس گفت اسلم عمك یا رسول الله ﷺ پس خوشحال شد آنحضرت ﷺ۔

حدیثوں میں عام طور پر آچکا ہے۔ من اخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة علمائے احناف کا تو عام فتویٰ ہے کہ کسی کا ایمان اگر ضعیف روایت سے

بھی ثابت ہوتو اُسے مسلمان کہا جائے گا بلکہ یہاں تک فتویٰ دیا کہ اگر کسی میں ۹۹ وجہیں کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی تو اس کو مسلمان ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا کمافی الدر المختار وغیرہ۔

مسلمانوں کو لازم ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو مسلمان سمجھیں اور اُس کو کافر کہہ کر آنحضرت ﷺ و ہرزمانہ کی موجودہ اہل بیت کو ایذا نہ دیں۔ والاخوف زوال ایمان ہے۔ وما علینا الا البلاغ

فقط فقیر برخوردار

# اکابر علمائے اُمت کی آراء

## علامہ قاری ظہور احمد فیضی کی تحقیقی تصنیف "شرح خصائص علی" سے اقتباس

### ذکر ماخص به رسول الله اعليا كرم الله وجهه

### حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک خصوصیت

{145}أخبرنا أحمد بن حرب قال أخبرنا قاسم بن يزيد
عن سفيان، عن أبي إسحق، عن ناجية بن كعب
عن علير ضى الله عنه: أنه أتى رسولَ الله ﷺ
قال:إن عمك الشيخَ الضالَّ قد مات، فمن
يواريه؟ قال: إذهب فوَارِ أَبَاك ولا تحدث حدثا
حتى تأتيني، فواريته ثم أتيته، فأمرني أن
أغتسل، [فاغتسلتُ،ن] ودعا [لي،ن] بدعوات، ما
يسرني ما على الأرض بشيء منهن۔

(السنن الكبرىٰ للنسائي ج، ص۲۷۲ رقم ۸۳۸۱ و طبع أخر ج۵ ص۱۵۲ رقم ۸۵۳۵، مسند أحمد ج۱ ص۱۳۱ رقم ۱۰۹۳ و ص۱۰۳ رقم ۸۰۷، مسند أبي يعلى ج۱ ص۲۱۱ رقم ۲۲۰، دلائل النبوة للبيهقي ج۲ ص۳۴۹، السنن الكبرىٰ للبيهقي ج۱ ص۳۰۴ رقم ۱۳۵۲، ۱۳۵۳)

"حضرت ناجیہ بن کعب ؓ حضرت علی ؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
آپ کا متوالا بوڑھا چچا انتقال کر چکا ہے تو کون اُس کو (مٹی)
میں چھپائے گا؟ آپ نے فرمایا: تم جاؤ اپنے ابا کو چھپاؤ اور کوئی
بات نہیں کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آؤ۔ پس میں نے انہیں

چھپا دیا، پھر حضور ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا تو میں نے غسل کیا، اور آپ نے مجھے متعدد دعائیں دیں۔ روئے زمین پر ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو مجھے ان دعاؤں سے زیادہ خوش کرے۔"

نوٹ: اس حدیث کی تشریح آئندہ حدیث کے ساتھ آرہی ہے۔

{146} أخبرنا محمد بن المثنى، عن أبي داؤد، قال: قال لي شعبة أخبرني فضيل أبو معاذ عن الشعبي، عن علي رضي الله عنه قال: لما رجعتُ إلى النبي ﷺ قال لي كلمة ما أحب أن ليها الدنيا۔

(السنن الكبرىٰ للنسائي ج۷ص۲۳،رقم ۸۳۸۲ وطبع آخر ج۵ ص۱۵۲ رقم ۸۵۳۵، مسند أبي داؤدا لطيالسي ص۱۹، رقم۱۲۱ و طبع جديد ج۱ ص۲، رقم۱۲۲، الكامل في ضعفاء الرجال ج۵ص۲۶۲)

"حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابو معاذ فضیل نے شعبی کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں (اپنے والد کو دفن کر کے) نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹا تو آپ نے مجھے ایسی بات فرمائی جو مجھے پوری دنیا کے مقابلہ میں زیادہ محبوب ہے۔"

فائدہ: یہ حدیث سنن النسائی اور سنن ابی داود میں بھی اختصار کے ساتھ موجود ہے، اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

ثم جئت فأمرني فاغتسلتُ ودعالي، وذكر دعاءً لم أحفظه۔

''پھر میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں واپس آیا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا. میں نے غسل کیا اور آپ نے مجھے دعا دی، ناجیہ ﷺ کہتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے ایک دعا ذکر فرمائی تھی جو مجھے یاد نہ رہی۔''

(سنن النسائی ج۴ص۳۸۳ رقم۲۰۰۵ .سنن أبی داود ج۳ص۲۸۰ رقم۳۲۱۴)

## حضرت ابوطالب کی تکفین وتدفین پر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں

مصنف (امام نسائی) علیہ الرحمہ کا مقصود اس حدیث کو یہاں لانے سے وہی ہے جو عنوانِ باب سے ظاہر ہے، اور اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے کتاب'' خصائص علی'' مرتب فرمائی تھی۔ یقینا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس موقعہ پر ایسی مخصوص دعائیں کی گئیں جن کی آپ کے نزدیک بہت اہمیت تھی حتی کہ آپ نے فرمایا:

''روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ مجھے ان دعاؤں کے مقابلہ میں خوش نہیں کرسکتا۔''

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کو غسل، کفن اور دفن کے موقعہ پر ایسی دعائیں دینے میں کیا حکمت ہے؟ کیا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ فقط نبی کریم ﷺ کے کچھ لگتے تھے اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا؟ کیا وہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی والدِ گرامی نہیں تھے؟ یقینا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی بہ نسبت نسباً زیادہ قریبی تھے، حتیٰ کہ آپ حقیقی بیٹے تھے، لیکن نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو جو الفت، مودت، عشق اور محبت تھی، اس تعلق کے پیش نظر حضرت ابوطالب سے متعلق کسی بھی کام کو نبی کریم ﷺ نے اپنا کام قرار دیا، اور ہر چند کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی والد گرامی کو غسل دیا تھا اور اپنے ہی والد کی تکفین اور تدفین کی تھی مگر

حضور اکرمؐ نے اُسے اپنا کام قرار دیتے ہوئے جزا کے طور پر عظیم دعائیں دیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور آپ انہیں اپنا محسن سمجھتے تھے اور یہ بات بداہۃً واضح ہے کہ جو حضور اکرم کا محسن ہو وہ درحقیقت شریعت اسلامیہ کا محسن ہے، اور جو شریعت اسلامیہ کا محسن ہو وہ تمام اہلِ اسلام کا محسن ہے۔

## حضرت ابوطالب کے متعلق اہلِ اسلام کی آراء

اس حدیث میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے متعلق یہ جملہ عرض کیا: "إن عمك الشيخ الضال" (آپ کا متوالا بوڑھا چچا) اس حدیث میں "ضال" کا لفظ ہے اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر بعض صحیح احادیث میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ آئے ہیں، جبکہ بعض صحیح احادیث میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے نبوی ارشاداتِ نافعہ بھی آئے ہیں جو کسی کھلے کافر کے بارے میں نہیں آسکتے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا قلب مومن تھا۔ پھر اس کی تائید میں خود حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا اپنا کلام بھی موجود ہے، جو وقتاً فوقتاً اُن کی زبانِ مبارک سے صادر ہوتا رہا، اور مشہور عربی مقولہ ہے کہ "كل اناء يَتَرَشَّحُ بمافيه" (ہر برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر ہو) فی الجملہ یہ کہ آپ کے متعلق دونوں طرح کی احادیث و آثار ملتے ہیں۔ اسی لیے اہل اسلام کے آپ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں، بعض آپ کی طرف کفر کی نسبت کرتے ہیں، بعض آپ کو مومن ثابت کرتے ہیں اور بعض اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

بسیار مطالعہ اور کافی غور وخوض کے بعد راقم الحروف کو جو بات سمجھ آئی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ قلباً مومن تھے اور ظاہراً نبی کریم ﷺ کے دفاع کے پیشِ نظر اسلام کا اعلان

نہیں کیا تھا۔ اختصار کے پیشِ نظر یہاں ہم آپ کے قلباً مومن ہونے کے دلائل کو پانچ قسموں میں تقسیم کر کے پیش کر رہے ہیں۔

١. جب کبھی کوئی شخص حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا تو آپ بہت خوش ہوتے۔
٢. اپنی اولاد کو آپ نے حکماً فرمایا کہ وہ نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیں۔
٣. آپ کے منظوم کلام سے توحید کی تائید اور شرک کی نفی ملتی ہے۔
٤. آپ کے منظوم کلام سے نبی کریم ﷺ کے نبی اور رسولِ برحق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔
٥. آپ کے منظوم کلام میں ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی محمد (ﷺ) کی غلامی میں مضمر ہے۔

انہیں وجوہات کی بنا پر نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا آپ کے حق میں مفید ہونے کا ثبوت ملتا ہے، حالانکہ قرآن کریم کے مطابق کافر کے حق میں کسی کی شفاعت نافع نہیں ہوگی۔

## حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا قلباً مومن ہونا

آپ کے قلباً مومن ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کے اسلام قبول کرنے پر خوش ہوتے تھے اور انہیں حضور اکرم ﷺ کے دست و بازو بننے پر اُبھارتے تھے۔ چنانچہ کتب سیرت و تاریخ میں آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے اپنے ایمان کو چھپاتے تھے اور چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے لیکن ایک مرتبہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو نہ ڈانٹا اور نہ غصہ کیا بلکہ مولیٰ علی کو حضور ﷺ کی مدد کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ امام ابن عساکرؒ لکھتے ہیں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

أسلمتَ؟ فقال: نعم. فقال وازِرْ إبنَ عمك وانصره۔

''اے علی کیا تم مسلمان ہو گئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: اپنے چچا کے فرزند کا بوجھ اٹھاؤ اور اس کی مدد کرو۔''

(تاریخ مدینۃ دمشق ج ۴۲ ص ۵۴ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۳۰۸)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوطالب نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: بیٹے یہ کیا دین ہے جس پر تم گامزن ہو گئے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ابا حضور، میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں، اور جو کچھ وہ اپنے ساتھ لائے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں، اور میں رضائے الٰہی کی خاطر ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں اور ان کی اتباع کرتا ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس موقعہ پر حضرت ابوطالب نے فرمایا:

أما إنه لم يدعك إلّا إلى خير فالتزمه۔

''یقیناً انہوں نے تمہیں نہیں بلایا مگر خیر کی طرف، لہٰذا تم مضبوطی سے ان کا دامن تھام لو۔''

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ج ۱ ص ۲۹۰، تاریخ الطبری ج ۱ ص ۵۳۹، سبل الھدیٰ ج ۲ ص ۳۰۱، آسنی المطالب ص ۴۰، مناقب علی والحسنین ص ۱۳)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

إن الوثيقة فيلزوم محمد
فاشدد بصحبته على يديكا

''بیشک کامل ضمانت محمد ﷺ کے دامن تھامنے میں ہے، لہٰذا تم دونوں ہاتھوں سے ان کی صحبت کا دامن لازم پکڑو۔''

(دیوان اَبی طالب ص۶۰)

اسی طرح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے وصیت و رغبت فرمائی تھی.
چنانچہ ابن عائشہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ گذرے تو نبی کریم رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی دائیں جانب تھے اور حضرت جعفر اپنے والد ابوطالب کے ساتھ تھے اور وہ اسلام کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔
حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ان کے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا:

إِذْهَبْ فَصِلْ جَنَاحَ إِبْنِ عَمِّكَ۔

"جاؤ تم بھی اپنے چچازاد کا بازو تھام لو۔"

اس کے بعد مافی الضمیر کا یوں اظہار فرمایا:

إن علياً و جعفراً ثِقَتی
عند إحتدام الأمور و الكرب
أرا هما عرضة اللقاء اذا
ساميت أو إنتمى إلى حسب
لاتخذك وانصر إبن عمكما
أخى لأم يمن بينهم و أبى
والله لا أخذل النبى و لا
يخذ له من بنى ذو حسب

☆ "بیشک علی اور جعفر مشکل امور اور دشواری میں میرا سہارا ہیں۔
☆ میں ان دونوں کو جنگ کے وقت ڈھال سمجھتا ہوں، اور معزز خاندانوں سے مقابلہ کے وقت باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔
☆ تم دونوں اپنے چچا کے فرزند کی مدد کرنا اور اسے تنہا نہ چھوڑنا وہ میرے سگے

بھائی کا فرزند ہے۔

☆ خدا کی قسم! میں نبی کریم ﷺ کو تنہا نہ چھوڑوں گا اور نہ ہی اسے ہر وہ شخص تنہا چھوڑے گا جو معزز خاندانوں سے ہے۔ (دیوان ابی طالب ص ۲۲)

اسی طرح جب سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اچانک اسلام قبول کر لیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی قلبی خوشی اور مسرت مخفی نہ رہ سکی، اور ضمیر کی آواز منظوم انداز میں زبان پر یوں مچلنے لگی:

صبراً أبا يعلى على دين أحمد

و كن مظهراً للدين وُفقت صابرا

وحُط من أتى بالحق من عند ربه

بصدق و عزم لا تكن حمز كافرا

فقد سرَّني إذ قلتَ إنك مؤمن

فكن لرسول الله فى الله ناصرا

و ناد قريشاً بالذى قد أتيته

جهاراً و قُل: ما كان أحمد ساحرا

☆ اے ابو یعلی! (یعنی اے حمزہ) دین احمد پر ثابت رہنا، اور تمہیں اچھی توفیق نصیب ہوئی، تم دین کو خوب ظاہر کرو۔

☆ اور محمد ﷺ اپنے رب کی جانب سے جو لائے ہیں اسے صدق و یقین سے سمیٹ لو، اور اے حمزہ! کبھی منکر نہ ہونا۔

☆ بیشک تم نے جب خود کو مومن کہا تو مجھے مسرور کر دیا، پس تم رضائے الٰہی کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے مددگار بن جاؤ۔

☆ اور قریش کے اندر اپنے اسلام کا بانگِ دہل اعلان کر دو، اور کہہ دو کہ محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی جادوگر نہیں ہیں۔ (دیوان أبی طالب ص ۴۳)

## آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسولِ برحق تسلیم کرنا

مذکورہ بالا کلام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی تائید و تصدیق موجود ہے مگر درجِ ذیل کلام میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ہے:

أنت الرسول. رسول الله نعلمه

عليك نُزِّلَ من ذی العزة الكتب

''آپ رسول ہیں، اللہ کے رسول، ہم یقین کرتے ہیں آپ پر
عزت کے مالک کی بارگاہ سے کتاب نازل کی گئی۔''

(دیوان أبی طالب ص ۲۱)

ایک اور مقام پر ارشادِ ابو طالب ہے:

أنت النبی محمدُ　　قرم أغرُّ مسوّدُ

''آپ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہیں، سید ہیں، معزز ترین ہیں، سب پر
سردار ہیں۔'' (دیوان أبی طالب ص ۳۵)

جب پہلی مرتبہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہوئے اور حبشہ کا رخ کیا تو قریش مکہ نے وہاں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے کی ٹھان لی تو اس موقعہ پر حضرت ابو طالب نے شاہِ حبشہ کی طرف لکھا تھا کہ

أتعلم ملك الحبش أن محمداً　　نبی كموسی و المسيح ابن مريم؟

أتی بهدی مثل الذی أتيابه　　و كل بأمر الله يهدی ويعصم

وانكمو تتلونه فی كتابكم　　بصدق حديث لا بصدق الترجُّم

فلا تجعلوا لله نداً و أسلِموا　　وان طريق الحق ليس بمظلم

☆ اے حبشہ کے بادشاہ! کیا آپ جانتے ہیں کہ محمد ﷺ ایسے نبی ہیں جیسا کہ موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم؟

☆ یہ ایسی ہی ہدایت کے ساتھ مبعوث ہوئے جیسی ہدایت کے ساتھ وہ دونوں آئے تھے، اور ان میں سے ہر ایک حکم الٰہی سے ہدایت دیتا ہے اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

☆ اور بیشک تم اپنی کتاب میں پڑھتے ہو کہ اس کی بات برحق ہے نہ کہ افسانہ۔

☆ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، اور اسلام لے آؤ، بے شک جادۂ حق تاریک راہ کے برابر نہیں ہے۔" (دیوان اَبی طالب ص ۹۰)

## آپ کا اللہ تعالیٰ کو "وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ" ماننا

حمد الٰہی بیان کرتے ہوئے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ملیك الناس ليس له شريك
الوهاب و المبدئ المعيد
و من تحت السماء له بحق
و من فوق السماء له عبيد

☆ وہ تمام لوگوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی بہت زیادہ عطا والا، اولاً پیدا کرنے والا پھر ثانیاً اپنی بارگاہ میں لوٹانے والا ہے۔

☆ جو آسمان کے نیچے ہے سب اُسی کا حق ہے، اور جو آسمانوں کے اوپر ہے اسی کی بارگاہ میں سرخم ہے۔ (دیوان اَبی طالب ص ۳۷)

## دنیا و آخرت کی کامیابی محمد ﷺ کی غلامی میں ہے، ارشادِ ابوطالب رضی اللہ عنہ

ایک موقع پر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض برادران کو نبی کریم ﷺ

کی نصرت واعانت پر ابھارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إعلم أبا أروى بأنك ماجد
من صلب شيبة فانصرن محمد
لله درك إن عرفت مكانه
في قومه ووهبت منك له يدا!
أما علي فارتبته أمه
ونشا على مقة له و تزيدا
شرف القيامة و المعاد بنصره
و بعاجل الدنيا يحوز السؤددا

☆ اے ابواَروی! اولادِ شیبہ میں تیرا ایک مقام ہے، لہٰذا تو محمد ﷺ کی مدد کر۔
☆ اگر پوری قوم میں تم نے اُن کا رتبہ پہچان لیا اور ان کی مدد کی تو یہ عنایتِ الٰہی ہوگی۔
☆ رہے علی المرتضیٰ تو ان کی والدہ نے ان کی تربیت ہی محمد کی محبت پر کی ہے، اور وہ اسی کی محبت میں دن بدن بڑھتا چلا گیا۔
☆ مرنے کے بعد اُٹھنے اور قیامت کے دن مرتبہ اُن کی مدد کرنے پر موقوف ہے، اور دنیا میں فوری سیادت کا حصول انہی کی غلامی میں ہے۔"

(دیوان اَبی طالب ص ۳۲)

## حضرت ابوطالب ﷺ کی بارگاہِ الٰہی میں التجا

حضرت ابوطالب نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی:

يا شاهد الخلق على فاشهد
إني على دين النبي أحمد

من ضل فی الدین فإنی مهتدی
یا رب فاجعل فی الجنان مقعدی

☆ اے مخلوق کے نگہبان میرے گواہ ہو جا، بے شک میں احمد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین پر ہوں۔

☆ جو شخص دین میں گمراہ ہوا (سو ہوا) لیکن میں ہدایت پر ہوں. پس میرا ٹھکانہ جنت میں بنا دے۔" (دیوان أبی طالب ص ۴۱)

## حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں شفاعت

مذکور الصدر تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- حضرت ابو طالب دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھلنے پھولنے پر دل سے خوش ہوتے تھے۔
- اپنے أعزہ اور اقرباء کو نصرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ابھارتے تھے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برحق رسولِ خدا اور نبی مانتے تھے۔

قرآن کریم کو کتب سابقہ کی طرح مُنَزَّلٌ مِّنَ اللهِ (اللہ کی طرف سے نازل شدہ) مانتے تھے۔

- اللہ تعالیٰ کو لاشریک، وہاب، المبدئ اور المعید مانتے تھے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو دنیوی اور اُخروی کامیابی کی ضمانت سمجھتے تھے۔
- قیامت اور جنت وجہنم اور مرنے کے بعد اُٹھنے پر ایمان رکھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ سے جنت میں ٹھکانے کا سوال کرتے تھے۔

ایسے جذبات، خیالات اور اعتقادات کسی کافر کے قطعاً نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کو میری

شفاعت سے ضرور فائدہ حاصل ہوگا، حالانکہ قرآن کریم کا ضابطہ یہ ہے کہ کافر شخص کو کسی کی شفاعت سے نفع نہیں ہوگا۔

## قرآن کی آیت اور بخاری کی حدیث میں مطابقت کی صورت

قرآن کریم کی سورۃ المدثر میں ہے کہ جنتی لوگ دوزخیوں سے دریافت کریں گے کہ تم دوزخ میں کیسے پہنچے تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے اور:

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ (المدثر: ۴۶۔۴۸)

''اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آپہنچی، پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اُنہیں نفع نہیں دے گی۔''

جبکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واضح ارشاد موجود ہے کہ آپ کی مجلس میں سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة۔

''امید ہے قیامت کے دن ہماری شفاعت اُنہیں نفع پہنچائے گی۔''

(بخاری ص ۶۵۲ رقم ۳۸۸۵ وص ۱۱۳۵ رقم ۶۵۶۴، صحیح مسلم رقم المسلسل ۵۱۳)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

يا رسول الله! ما ترجوا لأبي طالب؟ قال: كل الخير أرجو من ربي۔

''ابوطالب کے بارے میں آپ کیا امید رکھتے ہیں؟ فرمایا: میں اپنے رَبِّ کریم سے ہر خیر کی امید رکھتا ہوں۔''

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۹ ص ۳۲)

حدیث (نمبر ۱۴۶) کے ان الفاظ "قال لیکلمة ما أحب أن لیبها الدنیا" (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے مجھے ایک بات فرمائی، میں نہیں پسند کرتا کہ اس کے مقابلہ میں میرے لیے پوری دنیا ہو) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں مذکورہ جملہ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں: یعنی فی أبی طالب حین مات۔

''یعنی یہ بات حضرت ابوطالب کے حق میں اُن کی وفات کے وقت فرمائی گئی۔'' (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۲۶۶)

خدا جانے کہ نبی کریم ﷺ نے کیا بات فرمائی ہوگی، بہر کیف جو بات بھی فرمائی ہوگی وہ اس قدر فرحت بخش اور امید افزا تھی کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلہ میں پوری دنیا کو برِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کے مابین طے شدہ ہے، اور "وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (ہدایت یافتہ لوگوں کو وہی خوب جانتا ہے) بعض لوگ پوری زندگی علی الاعلان ہدایت پر قائم ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں اور بعض علی الاعلان نہیں ہوتے، لیکن ان دونوں میں سے حقیقتاً ہدایت یافتہ کون ہے؟ اُسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تاہم حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا منظوم کلام، ان کا دین کی اعانت کرنا، نبی کریم ﷺ کو برحق رسول ماننا، اللہ تعالیٰ کو لاشریک ماننا، دنیا اور آخرت کی تمام تر بھلائی کو حضور اکرم ﷺ کی غلامی پر موقوف قرار دینا، اسلام کی خاطر شعب ابی طالب میں محصوری سمیت تمام صعوبتیں برداشت کرنا اور آخر میں نبی کریم ﷺ کا ان کے حق میں مولیٰ علی

ﷺ کو ایسی پُر اُمید بات فرمانا وغیرہ امور سے ظاہر ہے کہ سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بہتر ہوگا۔

جَزَاهُ اللهُ تَعَالىٰ عَنْ نَّبِيِّهٖ وَدِيْنِهٖ وَعَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ. بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

☆☆☆

## حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مراۃ شرح مشکوٰۃ:

خیال رہے کہ ابو طالب کے ایمان کے متعلق علماء اہل سنت میں اختلاف ہے علامہ احمد دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب وہاں ان کا ایمان ثابت فرمایا ہے، صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ وہ شرعاً مومن نہ تھے کہ انہوں نے صراحۃً کلمہ نہ پڑھا مگر عند اللہ مومن تھے۔ ان بزرگوں کے نزدیک ابو طالب کو یہ عذاب عارضی ہوگا جیسے بعض گنہگار مسلمانوں کو اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس لپ کے ذریعے دوزخ سے نکالے جائیں گے جو شفاعتیں ختم ہو جانے پر رب تعالیٰ دوزخیوں سے بھرا ہوا اپنا ایک لپ جنت میں ڈالے گا۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان ثابت نہیں، خیال رہے کہ کوئی شخص ان پر زبان طعن دراز نہ کرے وہ حضور ﷺ کے بڑے ہی خدمت گذار ہیں حضور کو اپنے ساتھ لے کر سونے والے حضور کی خاطر کفار مکہ کے ہاتھوں بہت ہی دکھ درد سہنے والے ممکن ہے کہ ان پر طعن کرنے سے حضور ﷺ کو دکھ ہو ہم اپنی فکر کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۷ نعیمی کتب خانہ گجرات)

## انوارِ قمریہ میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ

## حضرت ابوطالب کی نجات اور اسلام پر چند قرائن

1. ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۸۸ ہجری آپ نے فرمایا سرکار دو عالم ﷺ کو حضرت ابوطالب نے جواب دیا اخترت النار علی العار یعنی میں نے آگ کو عار پر پسند کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تصدیق قلبی ہو چکی تھی کیونکہ اسلام قبول نہ کرنے پر نار کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر تصدیق قلبی نہ ہوتی تو نار کے استحقاق کا اقرار نہ کرتے۔
2. بعض کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوطالب کی قبر پر جا کر انہیں زندہ کریں گے اور کلمہ شریف پڑھائیں گے۔
3. حدیث پاک میں ہے کہ ابوطالب کو آگ کا جوتا پہنایا جائے گا۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کافر نہیں تھے کیونکہ کفار کا عذاب سخت ہے جیسا کہ آیت کریمہ ہے:

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ.

''ہم ان کے چمڑوں کو تبدیل کر دیں گے تا کہ عذاب چکھتے رہیں بسبب اس کے جو تکذیب کرتے تھے۔''

بار بار چمڑوں کا جل جانا اور پھر دوبارہ درست ہونا۔ الخ۔

4. فرمایا میری تحقیق بھی یہی ہے کہ اسلام قبول کیا اور کافروں والے عذاب سے نجات پا چکے ہیں کیونکہ کفار کا عذاب تو ایسا ہے کہ ایک مرتبہ تمام چمڑہ جل جائے گا پھر نیا دیا جائے گا، علیٰ ہٰذا القیاس موت نہ آئے گی۔ لیکن تمام کے تمام جلتے رہیں اور حضرت ابوطالب کے عذاب خفیف کا ذکر ہے۔ ایسا عذاب تو

مسلمان گناہ گاروں کو ہوگا۔

شرح شفا میں شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

واعلم ان اباطالب کانت محبة لرسول الله ﷺ و معرفته بانّه رسول الله وتصدیقٌ وی قلبه محققه لکن الله لم یهده للاسلام وفیه حکمة عظیمة وهو انه ﷺ کان فی جواره وحمایته ظاهرا حتی ماکان احدٌ یجتری علیه فلو اسلم لم یقبلو اجواره اذ لاجوار للمسلمین عندهم فختم الله علی لسانه و کذالك لما مات لزمت الهجرة لرسول الله ﷺ واهل بیته وهٰذامما تفطّن له بعض العلماء کابن القیم فی الهدی النبوی و صاحب الامتناع شرح شفاء ص۳۹۵ ج۳۔

قال حسان رضی اللہ عنہ:

اَمَنْ یَهْجُوْ رَسُوْلَ الله مِنْکُمْ
وَیَمْدَحُهُ وینْصُرُهٗ سوَاءُ

فانّ اباطالب ربّاہُ صغیراً وآواہ کبیراً ووقّرہٗ وذبَّ عنه ومدحهُ بقصائد غررٍ رضی باتباعه ولیس فی حدیث عمروبن دینار المار آنفاً دلالة علی شرکه فی قوله استغفرابراهیم لابیه مع شرکه فکیف لااستغفرله حتی ینهانی ربی ولم ینه بل نهیٰ عن الاستغفار للمشرکین

لالخصوص عمه فلو كان كذالك يقبل ان يستغفر و للمشركين و ان يستغفر النّبى لعمه ولم يقل كذالك۔

(اسنی المطالب فی نجات ابی طالب۔احمد بن المرحوم سیّد زینی زادہ ص۲۷)

و قال شيخ الاسلام والمسلمين سيّدى و سندى حضرت خواجه محمد قمر الدين رحمه الله تعالىٰ قوله ولم ينه عنه۔استغفاره صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم لابى طاب دليلٌ واضح على براء ته من الشرك لان الله سبحانه وتبارك وتعالىٰ قال وماكان لنبى والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربى (الآية) و ذكر قصة ابراهيم عليه السلام وقال عزّ اسمه وما كان استغفار ابراهيم لابيه الاّ عن موعدة و عدها إيّاه فلما تبيّن له انه عدو الله تبراء منه وان ابراهيم لاوّاه حليم فاستغفار نبيّنا صلى الله عليه وآله و صحبه وسلم لابى طالب اوضح من الشمس ان اباطالب ما كان مشركاً ولا عدوّاً لله۔

محمد قمر الدين۔ (على حاشية اسنى المطالب)

جان لیں کہ بے شک ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نصیب تھی اور آپ کے رسول اللہ ہونے کی معرفت بھی یقیناً تھی اور ان کے دل میں تصدیق بھی حقیقتاً ہو گئی تھی لیکن بظاہر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام سے موقوف رکھا اور اس میں عظیم حکمت تھی

اور وہ اس طرح کہ حضور اقدس ﷺ ان کی پناہ میں تھے اور ان کی حمایت و ہمدردی بھی ظاہراً تھی کہ کسی کو حضور پر حملہ کی جرات نہ ہوتی۔ اگر ظاہراً بھی اسلام قبول فرماتے تو کوئی بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جناب ابوطالب کو رہنے پر برداشت نہ کرتا جبکہ کفار کے نزدیک مسلمانوں کی پناہ نہ تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر مہر لگادی اور یہی وجہ ہے کہ جب ابوطالب فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم آ گیا۔ ساتھ ہی اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے بعض علماء نے بھانپ لیا ہے جیسا کہ صاحب امتناع اور ابن قیم نے اپنی تصنیف الھدی النبوی میں لکھ دیا۔ (شرح شفاء صفحہ ۳۹۵ ج ۳)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتا ہے اور آپ کی مدد کرتا ہے وہ اور دوسرا مذمت کرے برابر ہیں؟ بے شک ابوطالب نے حضور ﷺ کو وقار دیا، آپ سے دشمنوں کی تکالیف دور کیں اور بہت سے شاندار قصائد میں آپ کی تعریف فرمائی اور آپ کے متبعین کی بھی عزت کی اور ان سے راضی رہے اور جو حدیث عمرو بن دینا سے مروی ہے اس میں جناب ابوطالب کے ارتکاب شرک کا بالکل ثبوت نہیں ہے اور آپ ﷺ کے فرمان میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے ارتکاب شرک ہونے کے باوجود اس کیلئے دعا مغفرت کی اور میں کیسے اپنے چچا کیلئے دعائے مغفرت نہ کروں جبکہ میرے رب تعالیٰ نے مجھے منع بھی نہیں فرمایا اور وہ بھی نہیں روکے گئے تھے۔ بلکہ مشرکین کیلئے طلب مغفرت سے منع فرمایا گیا تھا نہ کہ خاص طور پر اپنے چچا سے۔ لہٰذا اگر ایسا ہوتا تو پھر مشرکوں کی طلب مغفرت بھی قبول ہوتی۔ (پس اگر ایسا ہوتا) تو نبی کریم ﷺ اپنے چچا کیلئے دعائے مغفرت نہ کرتے اور مقبول نہ ہوتی حالانکہ اس طرح نہیں فرمایا۔

جناب شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کی

طلب مغفرت اپنے چچا کیلئے واضح دلیل ہے کہ وہ شرک سے بری تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی مومنین کا حق ہے کہ وہ مشرکین کیلئے طلب مغفرت کریں، اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہوئے ذکر فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ (چچا) کیلئے طلب مغفرت تو محض اس لئے تھی کہ اس سے وعدہ کر چکے تھے پھر جب ان پر واضح ہوگیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے دور ہو گئے اور بے شک ابراہیم بہت ہی رجوع کرنے والا اور حلم والا ہے۔

لہٰذا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب مغفرت جناب ابوطالب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیلئے سورج سے زیادہ واضح ہے کہ جناب ابوطالب نہ مشرک تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دشمن۔ (محمد قمر الدین غفرلہ)

# وفات حضرت ابوطالب

## ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''ضیاء النبی''میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابوطالب کے انتقال پر ملال کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر اولین سیرت نگار ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

جب قریش کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ حمزہ، عمر بن خطاب جیسے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور آپ کی دعوت آہستہ آہستہ قریش کے جملہ قبائل میں بھی اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ اٹھو سب ابوطالب کے پاس چلیں۔ اب ان کا آخری وقت ہے شائد ان کی کوشش سے ہمارے درمیان اور محمد (فداہ ابی و

امی) کے درمیان کچھ مفاہمت ہو جائے۔ کچھ ہم ان کی باتیں مان لیں۔ کچھ وہ ہماری باتیں مان لیں اس طرح ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا آخر میں انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

فانا واللہ مانامن ان یبتزونا امرنا

''ورنہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ کر کے چھوڑیں گے۔''

یہ طے کرنے کے بعد مکہ کے رؤساء میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب اور چند دوسرے آدمی مل کر ابوطالب کے پاس گئے اور بایں الفاظ اپنی حاضری کا مدعا بیان کیا۔

اے ابوطالب! ہمارے دلوں میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس سے آپ باخبر ہیں اب آپ کی یہ حالت ہے ہم آپ کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہیں ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو نزاع ہے وہ آپ کو بخوبی معلوم ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ انہیں بلائیں اور ہماری اور ان کی صلح کرا دیں کچھ ہماری باتیں ان سے منوائیں اور کچھ ان کے مطالبات ہمیں ماننے کا حکم دیں تاکہ وہ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہم انہیں کچھ نہ کہیں۔ وہ ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ ہم جانیں اور ہمارے عقائد اور ہم ان کو ان کے حال پر رہنے دیں۔ وہ جانیں اور ان کے نظریات۔

حضرت ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلانے کیلئے آدمی بھیجا حضور تشریف لائے تو انہوں نے کہا اے میرے بھائی کے فرزند! تیری قوم کے یہ سردار یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر تمہارا جھگڑا طے ہو جائے اور آئندہ تم صلح و آشتی سے زندگی بسر کرو۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے جواب دیا۔ اے محترم چچا! انہیں فرمائیں

میری صرف ایک بات مان لیں سارے عرب کے بھی یہ مالک بن جائیں گے اور سارا عجم ان کا باج گزار بن جائے گا۔

ابو جہل جھٹ بولا: "نعم وابیك وعشر كلمات" تیرے باپ کی قسم! ایک بات نہیں آپ ایسی دس باتیں بھی کہیں تو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا کہو:

لا اله الا الله وتخلعون ما تعبدون من دونه۔

"یعنی عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بغیر تم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو ان کو پرے پھینک دو"۔

یہ سن کر ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور کہنے لگے:

یا محمدا تريد ان تجعل الآلهة الهاً واحدا؟ ان امرك لعجب۔

"یا محمد تم چاہتے ہو کہ ہم بہت سے خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں، یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے"۔

آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کرے گا۔ چلو چلیں۔ تم اپنے عقیدہ پر پکے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے پر کسی ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا: والله یا ابن اخی، ما رایتك سالتهم شططا۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کہا:

واللہ یا ابن اخی ما رایتك سالتهم شحطا۔

''یعنی میں نہیں دیکھتا کہ تم نے کسی غلط بات کا ان سے مطالبہ کیا ہے''۔

شطط اور شحط، قریب المعنی لفظ ہیں الشطط تباعد عن الحق حق سے دور ہو جانا۔

آپ کی یہ بات سن کر حضور ﷺ کے دل میں ان کے بارے میں امید پیدا ہوئی اور انہیں فرمایا:

ای عم! فانت فقلها، استحل لك بها الشفاعة یوم القیمة۔

''اے چچا! آپ یہ کلمہ کہئے اس سے قیامت کے دن آپ کیلئے میری شفاعت روا ہو جائے گی''۔

انہوں نے جواب دیا:

یا ابن اخی لولا مکافة السبة علیك و علی بنی ابیك من بعدی وأن تظن قریشٌ انی انما قلتها جزعاً لموت لقلتها لا اقولها اِلا لا سرك بها۔

''اے میرے بھتیجے! اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں اور تیرے بھائیوں کو لوگ مطعون کریں گے اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں ضرور پڑھتا اور میں یہ کلمہ صرف تمہیں خوش کرنے کیلئے پڑھتا''۔

جب موت کا وقت قریب آ گیا تو حضرت عباس نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے ہیں انہوں نے کان لگا کر سنا اور عرض کیا:

یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی الکلمة التی امرته ان

یقولھا۔

''اے میرے بھتیجے! بخدا! میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے
جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لم اسمع۔ میں نے نہیں سنا۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴)

آپ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں آپ کے قبیلہ کے سرکردہ لوگ اکھٹے ہیں اس وقت آپ نے ان سب کو ایک وصیت کی۔ جس سے آپ کی اولوالعزمی، بالغ نظری، حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ آپ کی شان فصاحت و بلاغت کے جلوے بھی نظر آتے ہیں جس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کا لفظی ترجمہ پیش خدمت ہے۔

آپ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے گروہ قریش! تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے چن لیا ہے۔ تم سارے عرب کا دل ہو، یہ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں شرف و عزت کے تمام مدارج تم نے پالئے ہیں انہیں گوناگون خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی...... میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ شریف) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ اور اسی پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا قطع رحمی سے باز رہنا، کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ جو

دعوت دے اس کو قبول کرنا۔سائل کو خالی نہ لوٹانا۔کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔سچ بولنا۔امانت میں خیانت نہ کرنا،ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کی دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت۔"

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلہ قریش میں وہ الامین کے لقب سے ملقب ہے اور سارے اہل عرب اسے الصدیق کہتے ہیں۔جن خصائل حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام کا جامع ہے بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں نے کمزور اور ضعیف لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا ہے۔اس کے دین کی تعظیم کی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔عرب کے سارے باشندے ان کے ساتھ دل سے محبت کرنے لگے ہیں اپنے دلوں کو اس کی محبت وعقیدت کیلئے انہوں نے مخصوص کر دیا ہے اور اپنی زمامِ قیادت اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

اے گروہ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ، جنگوں میں اس کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔خدا کی قسم جو شخص اس کی راہ پر چلے گا ہدایت پا جائے گا۔اور جو اس کے دین ہدایت کو قبول کرلے گا وہ نیک بخت اور بلند اقبال بن جائے گا اگر میری زندگی میں کچھ گنجائش ہوتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں اس کی کفالت کرتا اور تمام آلام ومصائب سے اس کا دفاع کرتا۔

اس وصیت کے بعد آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم،ص ۵۶۵)

## حضرت ابوطالب کاایمان

حضرت ابوطالب نے عمر بھر اپنی جان سے عزیز بھتیجے کی خدمات جس وفاشعاری سے انجام دیں اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے اعلان نبوت کے بعد سرکار دوعالم کو جن خارہ گداز مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ نے حضور کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ ساری قوم کی مخالفت اور عداوت مول لی لیکن حضور کی رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔ اپنا اثر ورسوخ اپنا مال ومتاع، اپنے اہل وعیال سب کو حضور کے دفاع کیلئے وقف کر دیا۔ شعب ابی طالب کی طویل اور روح فرسا تنہائی میں، ساری مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ہر قدم پر حضور کا ساتھ دیا ہر نازک سے نازک مرحلہ پر دشمنوں کے ہر وار کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اپنے خطبات میں حضور کی مدحت سرائی کرتے رہے۔ طویل قصیدے لکھے۔ جن میں آج بھی ہاشمی ومطلبی فصاحت کے انوار دمک رہے ہیں۔ ان قصائد میں حضور کی تعریف وتوصیف کے ایسے سچے موتی پروئے جن کی چمک کے سامنے آسمان کے ستارے خجل ہیں۔ محبت وعقیدت کے پھولوں سے ایسے گلدستے تیار کئے جن کی مہک سے آج بھی مشام جاں معطر ہو رہی ہے۔ جن کی نظر افروز رنگت آج بھی آنکھوں کو ضیاء بخش رہی ہے۔ ان کے سارے کلام میں کہیں بت پرستی اور بت پرستوں کی ستائش نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کے سامنے ہمیشہ ایک چٹان بن کر کھڑے رہے۔ جب آپ بستر مرگ پر پیک اجل کا انتظار کر رہے تھے اہل مکہ کا وفد حاضر ہو کر گذارش کرتا ہے ہمارے درمیان اور اپنے بھتیجے کے درمیان مصالحت کرا دیجئے۔ مصالحت کیلئے حضور کی اس دعوت کے بارے میں یوں اظہار فرماتے ہیں:

واللہ ما رایتك سالتہم شططا۔

اوردم واپسیں سے پہلے اپنے قبیلہ کے افراد کو جو آپ نے آخری وصیت کی ہے اس کا مطالعہ ابھی آپ کر چکے ہیں صرف اس جملہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

یا معشر قریش! ابن ابیکم، کونوا له ولاةً ولحزبه حماة والله لا یسئلك احد منکم سبیله الاّ رشد ولا یاخذ احدٌ بهدیه اِلّا سعد۔

''اے گروہ قریش! یہ تمہارے باپ کے بیٹے ہیں ان کے دوست بن جاؤ، جنگوں میں ان کے حامی بن جاؤ۔ بخدا! تم میں سے جو شخص ان کے راستہ پر چلے گا ہدایت پائے گا اور جو شخص ان کی ہدایت کو قبول کرے گا وہ سعادت مند ہو جائے گا''۔

اس کے بعد آپ کے بے شمار اشعار میں سے مندرجہ ذیل چند شعر پڑھے اور کہنے والے کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ کو آسانی ہو گی۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِیًّا کَمُوْسٰی خُطَّ فِیْ اَوَّلِ الْکُتُبِ

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے اور یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی گئی تھی''۔

فَلَسْنَا وَرَبَّ الْبَیْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدًا
لِعِزَّ اَمِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا کَرَبٖ

''اس گھر کے رب کی قسم، ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ احمد کو تمہارے حوالے کر دیں زمانے کی شدتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر''۔

ایک اور قصیدہ میں شان محمدی کو یوں اپنی کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی زبان میں بیان فرماتے ہیں:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

''وہ روشن چہرے والے جن کے چہرے کے وسیلہ سے بادل طلب کیا جاتا ہے وہ یتیموں کی پناگاہ اور بیواؤں کی آبرو ہے''۔

وہ ہستی جس کا کردار اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ تھا اور جس کا منظوم کلام اس قسم کے دُرہائے شہوار سے بھرا ہوا ہے ایسی ہستی پر کفرو شرک کا الزام لگانا بڑا کٹھن کام ہے۔

علامۃ العصر امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی نادر روزگار کتاب ''خاتم النبیین'' میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ میں اس تصنیف لطیف کے ایک اقتباس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں شائد اس موضوع پر شک وشبہ کی جو گرد پڑی ہوئی ہے وہ چھٹ جائے اور حقیقت کا رخ زیبا بے حجاب ہو جائے، اس موضوع پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''اس بحث سے ہم تین نتائج تک پہنچے ہیں اس میں سے دو مسلمہ ہیں اور تیسرا محل نظر ہے۔ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ ابوطالب اسلام کے حامی تھے، نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا دفاع کیا کرتے، اپنے اشعار میں انہوں نے حضور کی دعوت کی جو مدح وثناء کی ہے ذات رسالت کیلئے اور صحابہ کرام کیلئے جس محبت اور پیار اور شفقت کا اظہار کیا ہے اور مخالفین کی کذب بیانیوں کی جس شدومد سے تردید کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور صادق ہیں، راشد ہیں یعنی حضور سچے ہیں اور راہ ہدایت پر ہیں۔

دوسرا اسلمہ نتیجہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے اس مطالبہ کی صفائی پیش کی جو آپ نے مشرکین مکہ سے کیا تھا اور دعوت محمدی کے بعد یہ کہیں معلوم نہیں کہ آپ نے بتوں کی توصیف کی ہو۔ ساری زندگی حضور کی معیت میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اس کے ساتھ اس پاکیزہ محبت اور اس شفقت ظاہرہ کو بھی ملحوظ رکھتے جو انہیں ذات پاک نبی کریم ﷺ سے تھی۔

تیسرا نتیجہ جو محل نظر ہے وہ یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنی زبان سے کلمہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ بے شک ایک روایت ایسی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے یہ کلمہ پڑھا اور یہ وہی روایت ہے جس کے راوی حضرت عباس ہیں۔

بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباس کے مقام رفیع پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عباس کو جھوٹ سے متہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ آپ کی ذات کیطرف جھوٹ کی نسبت کریں خواہ اسلام سے پہلے ہی ہو۔ کیونکہ آپ خاندان قریش کے سرتاج اور سردار تھے۔ اور ایک عام عربی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔

کیا آپ نے امام بخاری کی وہ روایت نہیں پڑھی جس میں ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں چند استفسارات کرے ابوسفیان کہتا ہے میں نے بہت چاہا کہ آج موقع ہے میں سچ کے بجائے جھوٹ بولوں تا کہ ہرقل کی عقیدت حضور سے ختم ہو جائے لیکن اس خوف سے میں نے سچے جواب دیئے کہ کہیں اہل عرب مجھے جھوٹا نہ کہنے لگیں۔ اگر ابوسفیان جیسا آدمی جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا تو حضرت عباس جیسی ہستی جو ہاشمی خاندان کا سرتاج اور نبی کریم ﷺ کا محترم چچا ہے کیا اس کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا۔

امام ابوزہرہ یہاں علامہ ابن کثیر کی ایک رائے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں:

وهو فی هٰذا کله یعلم ان رسول الله ﷺ صادقٌ راشدٌ ولٰکن مع هٰذا لم یؤمن قلبه وفرقٌ بین علم القلب و تصدیقه۔

''ابوطالب ان تمام امور میں یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق ہیں راشد ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کا دل ایمان نہیں لایا تھا اور دل کے جاننے اور ماننے میں فرق ہے''۔

علامہ ابن کثیر کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

گویا ابن کثیر ابوطالب کے علم کو یہودیوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں یعرفونه، کما یعرِفون ابنآء هم کہ یہودی حضور کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کے اس خیال کی مخالفت کروں اور یہود کے علم جو جس طرح انہوں نے حضرت ابوطالب پر منطبق کیا ہے اس کی تردید کروں۔

میں کہتا ہوں کہ ابوطالب کے علم میں اور یہود کے علم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ابوطالب کا علم ایسا ہے جس کے ساتھ تصدیق اور یقین پایا جاتا ہے اور آپ کی ساری زندگی اور آپ کے سارے قصیدے اس بات کی تائید کرتے ہیں اس لئے میں یہ کہتا ہوں:

انه لا یمکن ان یّکون مشرکاً قطُّ۔

''کہ حضرت ابوطالب کا مشرک ہونا ممکن نہیں ہے''۔

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آپ نے قریش کے اقوال کو مسترد کیا اور دعوت توحید کی تائید کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے ساری عمر توحید اور اہل توحید کا دفاع کیا اور اس راستہ میں جتنی اذیتیں مسلمانوں نے برداشت کیں اتنی اذیتیں ابوطالب نے بھی برداشت کیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحت سے یہ کہا کہ محمد ﷺ صادق اور راشد ہیں اور اس بحث کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں:

اب تک ہم نے جو لکھا ہے اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ ہرگز مشرک نہ تھے۔ کیونکہ مشرک وہ ہوتا ہے جو بتوں کی عبادت کرے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے اور آپ کی ساری زندگی اس بات کی شاہد عادل ہے کہ آپ بتوں اور ان کی پرستش کو باطل اور لغو سمجھتے تھے۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ھوالعلیم بذات الصّدور

وما تخفی الانفس

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زورِ بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

مسئلة اسلامه خلافيّةٌ... ثم انه علی القول

بعدم اسلامه لاینبغی سبه التّکلم فیه بفضل

الکلام فان ذٰلك ممایتاذٰی به العلویّون۔بل لایبعدان یکون ممایتاذٰی به النبی ﷺ الذی نطقت الآیة بناءً علی ھٰذہ الروایات بحبہ ایّاہ والاحتیاط لایخفیٰ علی ذی فہمٍ لاجل عین الف عین تکرم۔

''حضرت ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جولوگ آپؓ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پرکوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ' کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرورعالم کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو، ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہئے''۔

(روح المعانی ص ۲۰ سورۃ قصص آیت ۵۵)

مولانا شبلی نے اس موضوع پر جولکھا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔(السیرۃ النبویہ شبلی جلد اول ص ۲۳۱۔۲۳۰)

## امام المناطقہ استاذ العلماء ملک المدرسین حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی چشتی گولڑوی قدس سرہ' کی تحقیق

ابوطالب کے کفر پر نہ تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور نہ ہی علماء اہل سنت کا کیونکہ بندہ نے روح المعانی کی عبارت سے ثابت کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کے اجماع کا قول درست نہیں ہے اور نیز بندہ نقل کر چکا ہے کہ علامہ قرطبی اور امام شعرانی اور ان کے سوا کثیر علماء اہل سنت اسلام ابوطالب کے قائل ہیں لہٰذا مسلمانوں اور اہل سنت

کے اجماع کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

## دلیل سوم:

مخالفین کی یہ دلیل بہت کمزور اور عقل و دانش سے بعید ہے دلیل ملاحظہ ہو چونکہ بعض اکابر اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ ابوطالب مسلمان نہیں ہے اور اس مسئلہ پر ان کی تصنیف بھی ہے تو حضرت ابوطالب کے اسلام پر دلائل دینا اور اس پر لکھنا ان اکابرین اہل سنت کی گستاخی ہے اور اس مسئلہ پر ان اکابرین کی تحقیق آخری تحقیق ہے جس کا خلاف معتذر ہے۔

جواب: اکابرین اہلسنت سے اختلاف دو قسم ہے۔

## قسم اول:

اختلاف بلا دلیل یعنی اکابرین نے ایک مسئلہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور کوئی اس مسئلہ سے اختلاف کرتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی دلیل ادلہ معہودہ معلومہ نہیں ہے یہ قسم اختلاف مذموم اور اکابرین اہل سنت کی گستاخی ہے بلکہ یہ اختلاف ہی نہیں بلکہ خلاف باطل ہے۔

## قسم دوم:

اختلاف بادلیل یعنی اکابر اہل سنت نے ایک مسئلہ کو مدلل کیا ہے اس کے بعد کوئی آدمی اکابرین سے اس مسئلہ میں اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف پر اس آدمی کے پاس اس کے خیال میں راجح دلائل ہیں یہ قسم اختلاف مستحسن ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ اگر ایک مسئلہ پر کسی آدمی کے پاس کتاب وسنت سے دلائل ہیں لیکن وہ آدمی اس مسئلہ کی ضد اور نقیض کا قول کرتے ہیں تو اس آدمی کا یہ عقیدہ فاسد اور مذموم ہے کیونکہ

اس آدمی نے شارع جل جلالہ یا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر بعض اکابرین کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہ امر غایۃ درجہ مذموم اور قبیح ہے اور یہ ایک قسم کا شرک ہے جس کو قرآن پاک میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں رب تسلیم کرلیا ہے اور ان کو احکام کا اختیار دیا ہے اور ان کا قول فرمان خدا اور فرمان رسول کے برابر گردانا ہے۔ بندہ اس مسئلہ کو یہاں ایک مثال سے واضح کرتا ہے غور فرمائیں۔ تمام اہل سنت جناب غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو اکابرین اہل سنت سے مانتے ہیں اور تمام اہل سنت حضرت غوث اعظم کے غلام ہیں لیکن تمام احناف بے شمار مسائل میں حضرت غوث اعظم کا خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ احناف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ حنبلی مذہب رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلاف ہے اور چونکہ یہ اختلاف دلیل پر مبنی ہے اس لئے مذموم نہیں ہے اور احناف اس اختلاف کے باوجود حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے گستاخ نہیں ہیں۔ اگر دلیل کی بناء پر بھی اختلاف مذموم ہے تو پھر احناف کو اپنا مذہب ترک کر کے حنبلی مذہب اختیار کرنا چاہیے۔ اسی طرح خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ شافعی المذہب ہیں اور احناف دلیل کی بناء پر حضرت خواجہ کا خلاف کرتے ہیں تو یہ مذموم نہیں ہے نیز بندہ ایک قریب ترین مثال پیش کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت سید احمد دحلان قدس سرہ ایمان اور نجاۃ ابوطالب کے قائل ہیں اور اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب ہے اور یہ سید احمد دحلان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے مشائخ میں سے ہیں حالانکہ اعلیٰ حضرت ایمان ابوطالب کے قائل نہیں ہیں بلکہ عدم ایمان پر رسالہ تحریر فرمایا ہے چونکہ یہ اختلاف دلائل پر مبنی ہے لہٰذا اعلیٰ حضرت نے اپنے شیخ کی

گستاخی نہیں کی ہے اب اگر کوئی آدمی دلائل کی بناء پر اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اختلاف کرتا ہے تو اس کو گستاخی کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ دیکھو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے اذا صح الحدیث فھو مذہبی یعنی اگر میرے بیان کردہ کسی مسئلہ کے خلاف تم کو صحیح حدیث مل جائے تو میرے بیان کردہ مسئلہ پر عمل نہ کرو اور حدیث شریف پر عمل کرو۔ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس قول میں چند امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

## امر اول:

اس عقیدہ بدکا رد فرمایا ہے کہ دلیل کی بناء پر اختلاف مذموم اور گستاخی ہے۔

## امر دوم:

کوئی امتی خواہ کتنا ہی مجتہد اور امام کیوں نہ ہو اس کو شارع کا مرتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

## امر سوم:

کسی امام اور مجتہد کی تحقیق آخری تحقیق نہیں ہے یہاں بعض لوگ ایک عامیانہ جاہلانہ سوال کرتے ہیں بندہ اس جگہ وہ سوال اور اس کا جواب نقل کرتا ہے۔

## سوال:

تم جو کہتے ہو کہ دلیل کی بناء پر اکابرین اہل سنت سے اختلاف مستحسن بلکہ واجب ہے تو کیا اکابرین کو وہ دلائل معلوم نہ تھے جن کی بناء پر تم اکابرین سے اختلاف کرتے ہو حالانکہ اکابرین کا علم تم سے بہت زیادہ ہے۔

## جواب:

قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ احناف حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے دلائل کی بناء پر اختلاف کرتے ہیں تو یہاں بھی وہی سوال ہوتا ہے کہ ان ہر دو اکابرین اہل سنت کو احناف کے دلائل کا علم نہیں تھا اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ میرے مذہب کے مقابلہ میں حدیث صحیح پر عمل کرو یہاں بھی وہی جاہلانہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا حضرت امام کو اس حدیث کا علم نہیں تھا۔

## خاتمہ:

عام طور پر قاعدہ یہ ہے کہ کسی کتاب یا مضمون کی وجہ تالیف ابتداء میں ذکر کی جاتی ہے لیکن مذکورہ بالا مضمون کی وجہ تالیف یہاں اخیر میں ذکر کی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وجہ تالیف ماقبل پر موقوف ہے اور ماقبل وجہ تالیف کی دلیل ہے وجہ تالیف کے کئی وجوہ ہیں۔

## وجہ اوّل:

یہ ایک قاعدہ ہے کہ مدلول کی نفی سے دلیل کی نفی ہو جاتی ہے لیکن دلیل کی نفی سے مدلول کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس مدلول پر کوئی اور دلیل بھی ہو خلاصہ یہ کہ دلیل ملزوم اور مدلول لازم ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے لیکن ملزوم کی نفی سے لازم کی نفی نہیں ہوتی۔ تفصیل کتب منطقیہ میں ہے اس مضمون سے بندہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے عدم ایمان پر یا عدم نجاۃ پر جو دلائل ہیں وہ ان دلائل کے مقابلہ میں کمزور ہیں جن سے آپ کا ایمان اور نجاۃ ثابت ہوتی ہے۔

## وجہ دوم:

بندہ قبل ازیں روح المعانی کی عبارت نقل کر چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کو

سب اور دشنام کرنے میں آنحضرت کی ایذاء کا احتمال ہے اور آپ کی ایذاء پر قرآن مجید میں وعید شدید ہے کقولہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ۔ الآیۃ۔ اور کسی کے کفر کی تشہیر کرنا بہت بڑا سبب اور دشنام ہے اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کے ایمان کو ثابت کرنے میں ان کی بڑی تعظیم وتکریم ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کا احتمال ہے بندہ نے یہ مضمون اس امید پر لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس فقیر حقیر سراپا تقصیر کے اعمال کا ملاحظہ فرمائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ یہ مضمون آپ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ اس فقیر کے گناہ معاف کر دے اور خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ آمین یارب العالمین۔

**وجہ سوم:**

اس مضمون سے چودہویں صدی کے ایک مذموم عقیدہ کا ابطال کرتا ہے کہ دلیل کی بناء پر بعض اکابرین سے اختلاف گستاخی ہے اور قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اکابرین کے قول کو ترجیح ہے حالانکہ اکابرین کا اپنا فرمان یہ ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ (ماخوذ از تحقیق ایمان ابوطالب ص ۵۸ تا ۶۲)

## حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کا فرمان:

آنحضرت ﷺ کے چچا جناب ابوطالب کے بارے میں بھی علماء اعلام کا اختلاف ہے۔ علامہ احمد بن ذینی دحلان اور بعض دیگر اکابر اُن کے ایمان کے قائل ہیں اور علامہ موصوف کی اس موضوع پر مستقل کتاب ''اسنی المطالب فی نجات ابی طالب'' چھپی ہوئی ہے اور علامہ سہیلی نے مسعودی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے کہ ابوطالب صاحب مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ (فتح الباری ص ۲۴۹ ج ۷)

اور قول باری تعالیٰ: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا

لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ۔ میں عام مشرکین کا حکم بیان کیا گیا ہے جناب ابوطالب کی اس میں تخصیص اور تنصیص نہیں ہے۔ باقی رہا معاملہ روایات کا تو وہ اخبار احاد ہیں ان سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا تو کسی کے عقیدہ وایمان کی نفی وانکار پر ان سے قطعی دلالت کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔ جب کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بوقتِ مرگ ہونٹ ہلاتے دیکھا تو کان لگائے کہ کیا کہتے ہیں:

فقال یاابن اخی واللہ لقدقال اخی الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا۔ (فتح الباری ص ۱۴۸ ج ۷)

تو پکار اٹھے اے میرے بھتیجے بخدا میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا ہے جس کا آپ نے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

گو یہ روایت ضعیف ہے لیکن حدیث کفر کی قطعیت کا دعویٰ تو ختم ہوجائے گا زیادہ سے زیادہ راجح مرجوح والا فرق ثابت ہوگا تو جس طرح اسنادات کے لحاظ سے بوجہ خبر واحد ہونے کے قطعیت نہیں تھی مضمون اور مفہوم حدیث کے لحاظ سے بھی قطعیت باقی نہیں رہے گی۔

نیز قطع نظر ان کے ایمان دار ہونے اور صحیح عقیدہ اپنانے سے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب ابوطالب بت پوجا کرتے تھے؟ اگر صورت حال واقعی اس طرح ہوتی تو وہ اپنے خداؤں کی عزت وناموس کے خلاف کوئی بات اپنے بھتیجے کی کیونکر برداشت کر سکتے تھے؟ اور دیگر مشرکین کو ان کے پاس یہ شکایت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی اور وہ انہیں باز رکھنے کا مطالبہ آپ سے کیونکر کرتے تھے؟ نیز قحط سالی کے موقع پر بارش کیلئے بتوں سے استغاثہ واستمداد کرتے ہوئے آپ کے بچپن کے زمانہ میں آپ کے معصوم اور نورانی ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کیلئے التجا کرتے تھے اور رواصل مراد ہو کر پکار اٹھتے تھے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهہٖ

ثمال الیتامٰی وعصمۃٌ لِلارامل

یلوذبہ الھلاک من آلِ ھاشم

فھم عندہ فی نعمۃ وفواضل

یعنی وہ سفید چمکیلی رنگت والے جن کی وجاہت وآبرو کے طفیل برستے بادلوں کی التجا کی جاتی ہے، یتیموں کا سہارا ہیں اور بیوگان کی عصمت کا سامان، آل ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کی پناہ لیتے ہیں پس وہ ان کی موجودگی میں نعمتوں اور راحتوں میں ہیں۔

جب کبھی سید عالم ﷺ نے بارش کیلئے دعا فرمائی اور اجابت و قبولیت نے اس کو بڑھ کر گلے سے لگایا اور فوری طور پر موسلا دھار مینہ برسنے لگا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جناب ابوطالب کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۱۳۷)

بلکہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جس میں اعرابی نے سید عالم ﷺ سے بارش کیلئے دعا فرمانے کی التجا کی اور اپنی حالت زار عرض کی۔ آپ نے ازراہ لطف و کرم اس التجا کو شرف قبولیت بخشا اور آپ کی دعا سے فوری طور پر موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور اس زور سے برسنے لگی کہ نشیبی علاقوں والے فریاد کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ الغرق الغرق، اے رسول خدا ہمیں غرق ہونے سے بچائیے غرق ہونے سے بچائیے۔ تو آپ ﷺ نے عرض کیا: اللھم حوالینا ولا علینا۔ اے اللہ ہمارے اردگرد ہو اور ہم پر نہ ہو تو بادل فوراً چھٹ گیا۔

فضحك النبی ﷺ حتّٰی بدت نواجذہ ثم قال للہ

درُّ ابی طالب لو کان حیا قرت عیناہ فقال علی رضی اللہ عنہ

کانك اردت قولا:

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ

ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

(خصائص الکبریٰ ص ۱۶۲ ج ۲)

تو آپ ﷺ منہ سے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں مبارک نمودار ہوئیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ابوطالب کی بہتری اور بھلائی اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں (یہ دوسرا معجزہ دیکھ کر) ٹھنڈی ہو جاتیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا گویا آپ کی مراد اُن کا یہ قول ہے:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

الغرض اگر وہ مشرک ہوتے تو 'ہبل' وغیرہ سے استغاثہ واستمداد کرتے اور ان کی پناہ طلب کرتے محبوب کریم علیہ السلام کو وسیلہ نہ بناتے اور ان کی پناہ طلب نہ کرتے اور ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرتے بلکہ مشرکین کے اعتقاد کے مطابق "ھٰؤلاء شفعاءنا عنداللہ" ان اصنام واوثان کو شفیع بناتے اور جب اعلانِ نبوت سے قبل آپ کے ساتھ ان کی عقیدت ومحبت کا یہ حال تھا تو اعلانِ نبوت کے بعد کیا وہ محبت وعقیدت نعوذ باللہ ختم ہوگئی تھی؟ اور کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ان کی اجازت اور رضامندی کے بغیر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے؟ جب نہیں اور یقینا نہیں بلکہ انکی اجازت اور رضامندی سے ہی اسلام وایمان سے بہرہ ور ہوئے تھے تو آخر انہوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے اور اس پر ایمان لانے کی اجازت اپنے عقیدہ ونظریہ کے برعکس کیونکر دے دی؟ اور اپنے خداؤں کی خدائی کی نفی اور انکار پر راضی کیسے ہو گئے؟ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ وہ موحدین جاہلیت کے قبیل سے تھے اور انہیں اصنام اوثان سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ انہوں نے تمام بنی عبدالمطلب کو اپنے مرضِ وصال کے موقعہ پر بلا کر کہا:

لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمد وما اتبعتم امرہ فاتبعوہ واعینوہ ترشدوا۔

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۸۶ بروایت ابن عساکر)

تم ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ رہو گے جب تک محمد کریم ﷺ کے ارشادات سنتے رہو گے اور ان کی اتباع کرتے رہو گے لہٰذا ان کی اتباع کرو اور مدادو اعانت کرو تو رشد و بھلائی تمہارا مقدر بن جائے گی۔

نیز جب آنحضرت ﷺ نے ان سے کلمہ پڑھنے کا مطالبہ کیا جبکہ وہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور ابوجہل و عبداللہ بن ابی امیہ جو پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہنا شروع کر دیا:

یاابا طالب اترغب عن ملة عبدالمطلب فلم یزل یکلمانه حتیٰ قال آخر شئی کلمهم به علی ملة عبدالمطلب۔ (بخاری شریف مع فتح الباری ص ۱۴۹ ج ۷)

اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے روگردانی کرنے لگے ہو؟ تو دونوں اسی طرح اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آخری جملہ جو ان کی زبان سے سرزد ہوا یہ تھا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں حالانکہ علماء اعلام کے جم غفیر کا مذہب مختار یہی ہے کہ جناب عبدالمطلب موحد تھے اور نجاستِ شرک سے ہرگز ہرگز ان کا دامن آلودہ نہیں تھا جیسے کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ لہٰذا جناب ابوطالب کے مشرک ہونے کا دعویٰ بھی سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

## کلمہ اعلانیہ نہ پڑھنے کی وجہ

البتہ یہ امر قابل تحقیق اور لائق تفتیش ہے کہ انہوں نے آپ کو صادق و امین

مانااورآپ کے دعویٰ رسالت ونبوت کو برحق جانا جیسے کہ ان کا قول ہے:

و دعوتنی و علمت انك صادق

و لقد صدقت و كنت قبل امينا

تم نے مجھے دعوت دی اور مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ تم سچے ہو اور بخدا تم نے سچ کہا اور قبل ازیں بھی تم امین اور لائق اعتماد و وثوق تھے۔لیکن بہ ایں ہمہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت اعلانیہ پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل نہ ہوئے ورنہ حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے میں جس طرح کوئی اختلاف وقوع پذیر نہیں ہوا آپ کے ایمان لانے میں بھی کسی کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہ ہوتی تو علامہ شہاب الدین خفاجی نے شرح شفاء میں اس حکمت اور مصلحت سے پردہ اٹھایا اور بتلایا کہ ان سے قبل علامہ ابن القیم نے الہدی النبوی میں اور صاحب اِمتاع نے بھی یہی حکمت و مصلحت بیان کی ہے۔(ملاحظہ ہو نسیم الریاض ص ۳۵۲ ج ۳)

و اعلم ان اباطلب كانت محبة الرسول الله ﷺ و معرفته بانه رسول الله و تصديقه فی قلبه محققة لكن الله لم يهده للاسلام و فيه حكمة عظيمة وهوانه ﷺ كان فی جواره وحمايته ظاهرًا حتّٰى ما كان يجدی عليه احدٌ فلواسلم لم يقبلوا جواره اذ لاجوار للمسلمين عندهم فختم الله علىٰ لسانه لذٰلك ولذ الماما ت لزمت الهجرة لرسول الله ﷺ و اهل بيته و هٰذا ما تفطن له بعض العلماء كابن القيم فی الهدىٰ النبوی و صاحب الامتاع۔

یقین جانیئے کہ جناب ابوطالب کی رسول محترم ﷺ سے محبت ومودت اور آپ کے رسول برحق ہونے کی معرفت اور تصدیق قلبی یقینا موجود و متحقق تھی لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی ہدایت وتوفیق مرحمت نہیں فرمائی تو اس میں عظیم حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ، رسول کریم علیہ السلام بظاہر ان کی پناہ اور حفظ وامان میں تھے حتی کہ کوئی کافر ومشرک آپ کے خلاف اقدام کی جرات نہیں کرسکتا تھا لیکن اگر آپ اسلام لاتے تو پھر کفار ومشرکین آپ کے حفظ وامان اور عہدو پیمان کو قطعاً قبول نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے کسی کو پناہ دینے کی کوئی حیثیت نہیں تھی تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو اس اعلان سے سر بمہر کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کو (اور حلقہ غلامی میں داخل ہونے والوں کو) مجبوراً ہجرت کرنی پڑی۔

## سوال:

بخاری شریف میں ہے کہ جناب ابوطالب کے اس جواب کے بعد کہ میں ملت عبدالمطلب پر ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا یستغفرنّ لك ما لم انه عنه میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا گیا۔

فنزلت ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفر واللمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ الآیة ونزلت انّك لا تھدی من احببت۔

تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ نبی اور ایمانداروں کو لائق نہیں کہ مشرکین کیلئے استغفار کریں اگرچہ قرابت دار ہوں اور یہ آیت نازل ہوئی: ”تم ہدایت نہ فرماتے

اسے جس کو محبوب رکھو۔" تو پہلی آیت میں مشرکین کا لفظ مذکور ہے لہٰذا ابوطالب کا مشرک ہونا قرآنِ مجید سے ثابت ہوگیا۔

## جواب:

اہلِ عرب چونکہ بالعموم مشرک تھے اس لئے جو ان میں مشرک نہیں تھے لیکن نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کا اقرار بھی نہیں کرتے تھے ان کو بھی مشرک کے لفظ سے تعبیر کردیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذٰلك لمن یشآء۔

کہ میں شرک کو نہیں بخشوں گا اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے حق میں چاہوں گا بخش دوں گا تو لازم آئے کہ انبیاء ورسل اور ملائکہ اور کتب سماویہ اور قیامت کے منکرین وکفار بھی بخشے جاسکتے ہیں حالانکہ ہرگز ہرگز وہ لوگ نہیں بخشے جائیں گے لہٰذا جس طرح اس آیتِ کریمہ میں ذکر خاص شرک کا ہے لیکن اس سے مراد عام ہے یعنی کفر، اسی طرح آیت مذکور بالا میں بھی ذکر مشرکین کا کیا گیا مگر معنی عام مراد ہے یعنی کفار والا۔ اگر کسی کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں نہیں یہاں پر مشرکین کا لفظ اپنے مخصوص معنی میں ہی استعمال ہوا ہے تو انہیں دیگر کفار کیلئے بخشش طلب کرنے کا جواز تسلیم کرنا پڑے گا جو کہ قطعاً باطل ہے۔

نیز مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب ابوطالب نے کہا:

لو لا ان تعیرنی قریش یقولون ماحمله علیه الا جزع الموت لاقررت بھا عینك۔

"اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش مجھے عیب وعار لگائیں گے اور کہیں گے کہ کلمہ پڑھے پر اس کو صرف اور صرف موت کی گھبراہٹ اور

خوف نے برانگیختہ کیا ہے تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی
کرتا اور تمہیں خوش کرتا۔"

واخرج ابن اسحٰق من حدیث ابن عباس نحوہ۔

(فتح الباری ص ۱۲۹ ج ۷)

اور محمد بن اسحٰق نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی
طرح حدیث نقل کی ہے۔

گویا حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے صرف اس عار اور عیب اور تہمت والزام باطل کی وجہ سے کلمہ برملا نہیں پڑھا ورنہ اوثان اواصنام کی الوہیت کا عقیدہ ہوتا تو صاف صاف کہہ دیتے میں تو تمہارے قول کی وجہ سے اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑ سکتا اور صرف ایک خدا نظام کائنات کیونکر چلا سکتا ہے جس طرح مشرکین نے لاالہ الااللہ سن کر تعجب و حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

اجعل الاٰلھۃ الٰھاً واحداً ان ھٰذا الشیٔ عجاب۔

## سوال:

یہ مانا کہ وہ اعلانیہ اسلام کا اظہار کرتے تو نبی اکرم ﷺ کیلئے حفظ وامان اور پناہ وسہارا ثابت نہیں ہو سکتے تھے لیکن جب انہیں اپنی موت سر پر منڈلاتی نظر آ رہی تھی تو اس وقت یہ مصلحت وحکمت اور نظریہ اور خیال تو ختم ہوتا صاف دکھائی دے رہا تھا پھر کیوں نہ کلمہ پڑھ لیا، کیونکہ موت اسلام پر نہ ہوتی تو بعد از ممات تو آپ کے ملجا و ماویٰ اور سہارا و پناہ ثابت نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا زندگی بھر نبی کریم علیہ السلام کے لئے جس طرح ڈھال بنے رہے تھے دم آخریں کلمہ پڑھ کر اسلام وایمان کو اور پیارے مصطفیٰ ﷺ

کو اپنے لئے ڈھال اور ملجاو ماویٰ بنالیتے اور اخروی عذاب سے تحفظ حاصل کر لیتے۔

## جواب:

اوپر والی روایت سے اس کا جواب آچکا کہ بعد میں ننگ و عار والے توہم کی بنا پر اعلانیہ کلمہ نہ پڑھا نہ کہ مشرک ہونے اور اوثان و اصنام کے ساتھ عقیدت و محبت اور ان کی الوہیت و معبودیت کے عقیدہ کی وجہ سے اور ہمارا بنیادی مقصد ان کے مومن و مسلم ہونے کا اثبات نہیں صرف سرفراز صاحب کے دعوائے شرک کا ابطال ہے اور وہ واضح ہو چکا۔

نیز ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال یہ ہو کہ قلبی تصدیق کافی ہے اور اس کی بدولت نجات حاصل ہو جائے گی زبانی اور اعلانیہ اقرار و اعتراف ضروری نہیں حالانکہ صاحبِ شرع کے مطالبہ کے بعد زبانی اقرار و اعتراف بھی ضروری تھا لیکن وہ غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنی حالت کو ان لوگوں پر قیاس کر بیٹھے جن کے دل میں تصدیق و ایمان ہو اور مطالبہ نہ پائے جانے کی وجہ سے زبانی اقرار و اعتراف نہ کریں تب بھی وہ ابدی عذاب سے نجات و خلاصی کیلئے کافی ہوتا ہے۔ اقرار و اعتراف صرف دنیوی طور پر احکام جاری کرنے کیلئے ضروری ہوتا ہے گویہ قیاس غلط تھا۔ واللہ اعلم بحال عبادہ۔

## مبحث ایمانِ آباء النبی ﷺ

چونکہ علامہ سرفراز صاحب نے آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تسلیم کر لیا اس سے بھی نبی اکرم ﷺ کے سلسلہ آباء و اجداد میں کافر و مشرک کا موجود ہونا لازم آ گیا۔

نیز جناب ابو طالب نے دمِ آخریں کہا ھو علیٰ ملۃ عبد المطلب تو مشرک ماننے سے جناب عبد المطلب کا بھی مشرک ہونا لازم آتا ہے اسلئے اس امر کی تحقیق

ضروری ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے تمام آباء واجداد میں شرک اور کفر پایا گیا یا نہیں؟ تو ہمارے نزدیک جمہور علماء اسلام کا مذہب یہی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے تمام آباء و اجداد تا حضرت آدم علیہ السلام مومنین اور موحدین تھے اور حبر اُمت مفسر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قولِ باری تعالیٰ وتقلبک فی الساجدین سے اس مدعا پر استدلال فرمایا جیسے کہ تفسیر درِ منثور جلد پنجم ص ۹۸ پر منقول ہے:

اخرج ابن ابی حاتم اوابن مردویہ وابونعیم فی الدلائل (الی) ما زال النبی ﷺ یتقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدته۔ اخرج ابن مردویہ عن ابن عباس سالت رسول اللہ ﷺ (الی) لم یلتق ابوای قط علیٰ سفاح لم یزل اللہ ینقلنی من اصلاب الطیّبة الیٰ ارحام الطاهرة الحدیث۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفاء شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی عمر العدنی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے:

ثم لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمة والارحام الطاهرة حتی اخرجنی من بین ابوی۔

(شفاء مع نسیم الریاض ص ۴۳۵ ج ۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

انه (ابن عباس) رضی اللہ عنہ فسر التقلب فیهم بالتنقل فی اصلابهم حتّٰی ولدته امه (الیٰ) یراد بالساجدین المومنون۔

خلاصہ مفہوم تمام عبارات کا یہ ہے کہ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیم نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ساجدین میں تقلب سے مراد یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ انبیاء علیہم السلام کے اصلاب میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے رہے تاآنکہ انہیں والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ جب آدم علیہ السلام جنت میں تھے آپ کہاں تھے تو آپ ﷺ مسکرائے (پھر ہنسے) یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک نمودار ہوگئیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

انی کنت فی صلبه وهبط الی الارض۔

میں آدم کی پشت میں تھا جبکہ وہ زمین کی طرف اُترے (تا) میرے ماں باپ (کسی بھی مرتبہ کے ہوں) کبھی بھی زنا پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاکیزہ پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا ہے۔

(الحدیث وکذا فی الشفاء لقاضی عیاض مع شرح ص ۲۳۵ جلد اول)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے تقلبک فی الساجدین کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد ہے کہ سجدہ کرنے والوں میں آپ کا یکے بعد دیگرے منتقل ہونا یہاں تک کہ آپ کو والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور اس تقدیر پر ساجدین سے اہل ایمان مراد ہوں گے۔ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والذی ادین الله به نجاة ابویه ﷺ وقد الفت رسائل فی ذلك رغما لانف علی القاری و من وافقه واعتقدان جمیع آباء علیه الصلوٰة والسلام لاسیما من والده بلا واسلطة اوفر الناس حظا مما اوتی هناك من السعادة والشرف

وسمو القدر۔ (روح المعانی ص۹۴ ج۳۰)

وہ امر کہ میں اس کو دینِ خداوند تعالیٰ سمجھ کر اپناتا ہوں وہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا نجات پانا اور اس موضوع پر کئی رسائل تالیف کیے گئے ہیں اور اس امر کو مبرہن انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ ملا علی قاری اور ان کے ہمنواؤں کے نظریہ کے برعکس میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کے تمام آباء واجداد خصوصاً بلاواسطہ ابوین تمام لوگوں کی نسبت زیادہ حصہ پانے والے ہوں گے اس سعادت اور فضل وشرف اور بلندی مرتبت سے جو آپ کو روزِ حشر عطا ہوگی۔

یہی علامہ والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں فرماتے ہیں:

و انا اخشی الکفر علی من یقول فیہما رضی اللہ عنہما علی رغم انف علی القاری واضرابہ بضد ذٰلک۔

(ص ۱۲۴ ج ۱۹)

''اور میں اس شخص پر کافر ہوجانے کا خوف رکھتا ہوں جو ان میں ایمان کا قائل نہیں ہے، علی قاری اور ان کے ہمنواؤں کے علیٰ رغم الانف اور ان کی رضا اور رغبت کے برعکس۔''

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کا ایمان واسلام اور اس کا ناجی ہونا تسلیم کرنا لازمی ہے اور آذر آپ کے حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا ہے اور چچے کو بطور مجاز اب کہنا جائز اور صحیح ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آپ کے آباء میں شمار کیا۔ کما قال تعالیٰ:

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (الآیۃ)

اور یہی جمہور علماء اسلام کا مذہب مختار ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

والذی عول علیه الجم الغفیر من اهل السنة ان آذر لم یکن والد ابراهیم علیه السلام وادعوا انه لیس فی آباء النبی ﷺ کافراً اصلا نقوله ﷺ لم ازل انقل من اصلاب الطاهرین الی ارحام الطاهرات، والمشرکون نجس و تخصیص الطهارة بالطهارة من السفاح لادلیل له یعول علیه والعبرةُ لعموم اللفظ لالخصوص السبب وقد الفوافی هذا المطلب الرسائل واستدلوا له بما استدلوا والقول بان ذلك قول الشیعة کما ادعاه الامام الرازی ناشی من قلة التتبع و اکثر هؤلاء علی ان آذر اسم لعم ابراهیم علیه السلام۔

(ص ۱۶۹ ج ۷)

اہل سنت کا جم غفیر کا جس امر پر اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں ہے انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی مکرم (ﷺ) کے آباء واجداد میں سے کوئی ایک بھی کافر نہیں تھا کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل کیا جاتا رہا''۔ حالانکہ مشرکین نجس اور پلید ہیں اور حدیث شریف میں بیان کردہ طہارت کو زنا والی نجاست سے طہارت کے ساتھ مخصوص ٹھہرانے پر کوئی قابلِ قبول اور لائق اعتماد دلیل نہیں ہے جبکہ (از روئے قواعد واصول) اعتبار عموم

الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ سبب (اور مورد) کی خصوصیت کا، اور علماء اہل السنت نے اس مطلب ومدعا کے اثبات کے لئے رسائل تالیف کئے ہیں اور اس پر بہت سے دلائل قائم کئے ہیں۔"

رہا یہ امر کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء کے مومن ہونے کا قول شیعہ کا قول ہے جیسے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے دعوی کیا ہے تو وہ قلت تتبع اور ناقص تجس پر مبنی ہے اور اکثر اہل السنت اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور لفظ اب کا اطلاق چچا پر ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

ام کنتم شهداء اذحضر یعقوب الموت اذقال لبنیه ماتعبدون قالو نعبدالٰهك واله آباء ك ابراهیم واسمٰعیل واسحٰق۔

اور اس قول باری تعالیٰ میں (آپ کے چچے اسمٰعیل پر جس طرح اب کا لفظ بولا گیا ہے) آپ کے دادے ابراہیم علیہ السلام کو بھی اب کہا گیا ہے۔

و اید بعضهم دعوی ان ابا ابراهیم علیہ السلام الحقیقی لم یکن کافراً ونما اکافر عمه بما اخرجه ابن المنذر فی تفسیره بسند صحیح عن سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ قال لما اراد و ان یلقوا ابراهیم علیہ السلام فی النار جعلوا یجمعون الحطب حتی ان کانت العجوز تجمع الحطب فلما تحقق ذٰلك قال حسبی الله ونعم الو کیل فلما القوه۔ قال الله تعالیٰ: "یا نار کونی بردًا و سلاماً علی ابراهیم" فکانت فقال عمه من اجلی دفع عنه فارسل الله علیه

شرارة من النار فوقعت علی قدمه فاحرقته۔

(ص ۱۶۹ ج ۷)

''اور علماء اہل السنت میں سے بعض نے اپنے اس دعویٰ کی (کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کافر نہیں تھے بلکہ ان کے چچے کافر تھے) کی تائید وتقویت میں وہ روایت پیش کی ہے جس کو ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کا پکا ارادہ کرلیا تو لکڑیاں جمع کرنے لگے یہاں تک کہ بوڑھی کھوسٹ عورتیں بھی لکڑیاں جمع کرنے لگیں تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس امر کا یقین ہوگیا تو آپ نے کہا، مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ جب انہوں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہوجا اور سراسر سلامتی بن جا تو وہ حسب الحکم ٹھنڈی ہوگئی تو آپ کے چچا نے کہا میری وجہ سے ابراہیم سے یہ مصیبت ٹلی ہے اور عذاب دور ہوا ہے تو اللہ نے اس آگ کا شرارہ اس پر بھیجا جو اس کے قدم پر گرا اور وہ جل گیا۔''

اور اس روایت سے بھی تائید وتقویت پیش کی ہے جو محمد بن کعب قتادہ مجاہد اور حسن بصری (رضی اللہ عنہم) وغیرہ سے ابن المنذر نے نقل کی ہے:

ان ابراهیم علیہ السلام لم یزل یستغفر لابیه حتی مات فلما مات تبین له انه عدو الله فلم یستغفر له ثم هاجر بعد موته ووقعة النار الی الشام ثم

دخل مصر واتفق له مع الجبار ما اتفق ثم رجع
الى الشام و معه هاجر ثم امره الله ان ينقلها
وولدها اسمٰعيل الى مكة فنقلهما و دعا هناك
فقال ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غيرذى
ذرع عند بيتكك المحرم الى قوله (ربنا اغفرلى
والوالدى وللمومنين يوم يقوم الحساب) فانه
يستنبط من ذلك ان المذكور فى القرآن بالكفر
هو عمه حيث صرح الاثر الاول ان الذى هلك
قبل الهجرة هوعمه ودل الاثر الثانى على ان
الاستغفارلوالديه كان بعد هلاك ابيه بمدة
مديدة فلو كان الهالك هو ابوه الحقيقى لم يصح
منه علیہ السلام هذا الاستغفار له اصلا فالذى يظهر ان
الهالك هو العم الكافر المعبر عنه بالاب مجازاً و
ذلك لم يستغفر له بعد الموت و انما المستغفر
لهٗ هو الاب الحقيقى وليس بآذر و كان التعبير
بالوالد فى آية الاستغفار و الاب فى غيرها اشارة
الى النايرة۔ (ص۱۶۹ج۷)

”حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اب (آذر) کیلئے استغفار کرتے رہے
یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے
دشمن ہیں تو آپ نے ان کیلئے استغفار نہ کی پھر انہوں نے اس کی
موت اور آگ میں پھینکے جانے والے واقعہ کے بعد شام کی

طرف ہجرت فرمائی بعدازاں مصر میں داخل ہوئے اور انہیں
مصری جبار کے ساتھ عظیم واقعہ پیش آیا پھر شام کی طرف مراجعت
فرماہوئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں (جو
جبار مصر کی طرف سے حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کو بطور خادمہ دی گئی
تھیں) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت ہاجرہ اور ان کے
فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ (والی جگہ) کی طرف
منتقل فرمائیں چنانچہ انہوں نے ان کو مکہ مکرمہ والی جگہ کی
طرف منتقل فرمایا اور وہاں پر دعا فرمائی: ''اے ہمارے رب
میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو بے آب وگیاہ وادی میں
تیرے محترم گھر کے پاس ٹھہرایا ہے (تا) اے میرے رب مجھے
بخش اور میرے والدین اور تمام مومنین کو روزِ حشر بخش''۔

تو اس دعا سے مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جس کے کفر کا ذکر کیا گیا ہے وہ آپ کا چچا ہے کیونکہ پہلی روایت سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہجرت سے قبل فوت ہونے والے آپ کے چچا تھے۔ اور دوسری روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی والدین کی مغفرت کی طلب آپ کے باپ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پائی گئی۔

لہٰذا اگر آپ کی ہجرت سے قبل وفات پانے والے آپ کے حقیقی باپ ہوتے تو قطعاً ان کیلئے آپ کی طرف سے استغفار نہ پائی جاتی لہٰذا جو کچھ ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ فوت ہونے والا آپ کا کافر چچا تھا جس کو مجازی طور پر اب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس کیلئے آپ نے موت کے بعد استغفار نہیں کی بلکہ اپنے حقیقی باپ کیلئے استغفار کی ہے جو آذر نہیں اور گویا استغفار والی آیت میں والد

کے لفظ سے تعبیر اور دوسری آیات میں اب کے لفظ سے تعبیر میں اسی مغایرت کی طرف اشارہ ہے۔

## اقول:

اسی طرح "اذ قال لابیه آذر" میں بھی یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب باپ کہہ دیا گیا تو تعیین مراد تو اس سے ہو چکی تھی پھر آذر کے اضافہ کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ حقیقی باپ تو ایک ہی ہوتا ہے نیز مقام بھی مذمت کا ہے اور ایسے مقامات میں ناموں کی تصریح کی بجائے بطور اشارہ وکنایہ ذکر کرنا ہی مناسب ہوتا ہے جیسے کہ قول باری تعالیٰ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔

اور قول باری تعالیٰ:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ الایة۔

میں نام کی تعیین شان نزول والی روایات کے ذریعے کی گئی ہے۔ آیاتِ کریمہ میں نام کی تصریح سے گریز کیا گیا ہے تو اس قرینہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظ اب اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول نہیں تھا اسی لئے ساتھ نام کی صراحت کر دی گئی تا کہ مقصود اصلی اور حقیقی مصداق کی وضاحت ہو جائے۔

## تنبیہ:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مسالك الحنفاء فی والدی المصطفٰی ﷺ میں یہی تحقیق ذکر فرمائی ہے جو علامہ سید محمود آلوسی صاحب نے ذکر کی ہے اور قول باری تعالیٰ:

و تقلبك فی الساجدین۔

اور قول رسول ﷺ:

لم اذا نقل من اصلاب الطاهرین الیٰ ارحام الطاهرات۔

سے استشہاد واستدلال پیش کیا ہے۔

نیز علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دلائل قائم کر کے اس کو مدلل اور مبرہن انداز میں بیان فرمایا اور مجاہد اور سدی اور ابن جریج سے صحیح السند روایات کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ضعیف المسند روایت (جوکہ دیگر روایات کے ساتھ مل کر تقویت حاصل کر چکی ہے) کے ساتھ نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کا نام آذر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تارخ یا تیرح یا تارح تھا۔ مزید تفصیل اصل رسالہ میں ملاحظہ فرماویں اور ان کے دیگر رسائل میں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم میں فرماتے ہیں:

اما آباء کرام آنحضرت ﷺ پس همه ایشاں از آدم تاعبداللہ طاهر و مطهر انداز دنس کفر و نجس شرك چانچه فرمود بیروں آمده ام زاصلاب طاهره بارحام طاهره ودلائل دیگر که متاخرین علماء حدیث آنرا تحریر و تقریر نموده اند ولعمری ایں علمیست که حق تعالیٰ سبحانه مخصوص گردانیده باین متاخرین را یعنی علم آنکه آباء واجداد شریف آنحضرت ﷺ همه بردین

توحید و اسلام بوده اند و از کلام متقدمین لائح میگردد کلمات بر خلاف آن وذٰلك فضل الله یوتیه من یشا و یختص به من یشآء وخدا جزائے دهد شیخ جلال الدین سیوطی را که دریں باب رسائل تصنیف کرده افاده و اجاده نموده ایں مدعا را ظاهر و باهر گردانیده است و حاشا لله که ایں نورِ پاك را در جائے ظلمانی پلید بنهند و در عرصات آخرت به تعذیب و تحقیر آباء او را مخزمی و مخزول گردانند۔ (ص۴۹۱)

''لیکن آنحضرت ﷺ کے آباءِ کرام تمام کے تمام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک کفر کی میل اور شرک کی نجاست سے طاہر ومطاہر ہیں جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ مَیں پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوا ہوں اور دوسرے دلائل بھی قائم کئے گئے ہیں جیسے کہ متاخرین علماءِ حدیث نے اس کو تحریر فرمایا اور بیان کیا اور مجھے میرے خالق زِیست کی قسم ہے کہ اس علم کے ساتھ یعنی آپ کے آباء واجداد کے توحید اور اسلام پر ہونے کے علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے متاخرین علماء کو مختص اور ممتاز ٹھہرایا ہے جبکہ متقدمین علماء کے کلام میں اس کے خلاف کلمات ظاہر ہوتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے فضل وکرم

سے نواز دے اور جس کو چاہے کسی نعمت کے ساتھ مختص ٹھہرا
دے۔ اللہ تعالیٰ شیخ جلال الدین سیوطی کو جزائے خیر عطا کرے
جنہوں نے اس مسئلہ پر رسائل تصنیف فرما کرلوگوں کوعظیم فائدہ
اور نفع پہنچایااور اس مسئلہ کوواضح اور روشن کیا۔"

حاشاللہ و پناہ بخدا کہ رسول معظم ﷺ کے نورِ پاک کوظلمانی اور پلید جگہ میں رکھیں اور قیامت کے میدان میں آپ کے آباء واجداد کوعذاب دے کر اور تحقیر وتذلیل کر کے نبی اکرم ﷺ کورسوائی اور ذلت سے دو چار کریں (العیاذ باللہ)

اقول، فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔
الآیۃ۔

یعنی مشرکین نجس اور پلید ہیں لہٰذا وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اور وہ ہستی مقدس کہ جن کے جسدِ اطہر سے مساس کا شرف حاصل کرنے والی مٹی، بیت المقدس، کعبہ مکرمہ اور عرش اِعلیٰ سے بھی افضل ہوان کی ذات اِقدس اور حقیقت مطہرہ اور نورانی عنصر کو مکمل طور پر نجس اور پلید جگہ میں داخل کر دیا جائے یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟ کیا مسجدِ حرام کو سمیٹ کر کسی مشرک کو اندر داخل کرنا جائز ہوسکتا ہے اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سید عالم ﷺ کے نوارنی عنصر اور جوہر پاک کو ایسی پلید جگہوں میں چھپانا کیونکہ گوارا ہوسکتا ہے۔ فتح مکہ سے اہل اِسلام میں مشرکین کو مسجدِ حرام سے دور رکھنے کی قوت و طاقت نہ تھی اس لئے اس حکم کو مؤخر کیا گیا مگر سید الطاہرین محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوہرِ نورانی کا اصلاب وارحام میں منتقل فرمانا اللہ تعالیٰ کا ذاتی فعل اور اختیار وانتخاب تھا لہٰذا اس میں کسی وقت اور جگہ کی تعیین وتحدید کی کیا ضرورت ہوسکتی تھی۔

الغرض متاخرین علماء اعلام اور اکابرین ملت کی طرف سے روشن اور رواضح

براہین اور دلائل قائم کر دیئے جانے کے بعد اور ان مطلع اور اس سے واقف ہونے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ اور والد کو کافر اور مشرک قرار دے دینا بہت بڑی جسارت اور بیباکی ہے اور نازیبا اور نالائق حرکت ہے۔ اعاذنا اللہ من ذٰلك۔

نیز جب یہ امر مبرہن اور مدلل انداز میں ثابت ہو چکا کہ تمام آباء واجداد سید عالم علیہ السلام کے مومن وموحد تھے تو جناب عبدالمطلب کا مومن وموحد ہونا بھی ثابت ہو گیا اور ظاہر ہے کہ جناب ابوطالب اپنے باپ کے نقشِ قدم پر تھے جیسے کہ انہوں نے زبانی کہا لہٰذا اس کے متعلق مشرک وبت پرست ہونے کا دعویٰ محلِ نظر ہے۔

نیز بعض اکابرین نے بعد از وفات ان کے زندہ کئے جانے اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا قول بھی کیا ہے چنانچہ شیخِ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں صفحہ نمبر ۱۳۵ پر اور میر عبدالواحد بلگرامی نے سبع سنابل شریف صفحہ نمبر ۲۸ پر ذکر فرمایا ہے کہ سید محمد گیسو دراز علیہ الرحمہ جو کہ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے عظیم المرتبت خلیفہ ہیں۔ انہوں نے تفسیر ام المعانی کے حوالے سے بیان فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کو یہ مژدہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے والدین اور چچا ابوطالب کو زندہ کر کے حلقہ اُمت میں داخل کرنے کا اذن دیا۔ چنانچہ آپ کے بلانے پر "ہر سہ تن سر از کاك بر آوردند بمن ایمان آوردند"۔

تینوں حضرت اپنی قبروں سے برآمد ہو گئے اور میرے ساتھ ایمان لے آئے، اور بعد از وفات زندہ ہو کر مشرف با اسلام ہونا اور اس اسلام کا عنداللہ مقبول ہونا نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے ہوگا جیسے کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو پہلے لن نومن لك حتی نرى الله جهرةً کہنے کی بنا پر آسمانی بجلی کے ساتھ بھسم کر دیا گیا

اور پھر آپ کی دعا سے ان کو زندہ کر کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا موقع فراہم کیا گیا اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ بلکہ حضرت کلیم علیہ السلام کے امتیوں کی نسبت نبی اکرم ﷺ کے مشفق چچا اس رعایت اور عنایت کے زیادہ حقدار تھے اور کلیمِ طور علیہ السلام کی بجائے کلیمِ عرش اور کلیمِ محشر ﷺ اس اعزاز واکرام اور اختصاص و امتیاز کے زیادہ لائق اور مستحق تھے۔

علامہ سرفراز صاحب کی جماعت کے ممتاز عالم دین علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اپنے حاشیہ قرآن میں فرماتے ہیں:

''ابوطالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوعِ بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پر خطر مباحث میں کفِ لسان کیا جاوے۔'' (ص ٦٧٦)

مگر علامہ صاحب کو اپنے اکابر کے ارشادات کے برعکس ہر حال میں ابوطالب صاحب کو مشرک اور کافر ثابت کرنا اہم فریضہ معلوم ہوتا ہے اور وہ ہر قیمت پر اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں خواہ اپنا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے۔

علاوہ ازیں وہ بعد از مرگ بھی ایمان بالفرض والتقدیر نہ لائے ہوں تو صرف شرک کی وجہ سے ان کا ناقابلِ بخشش ہونا کیسے ثابت ہو گیا، کیا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار واعتراف کر لیا تھا اور اگر مطالبہ کے باوجود انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار واعتراف علانیہ نہیں کیا تھا تو پھر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی شفاعت اور طلب مغفرت سے منع کرنے کا سبب صرف شرک نہ ہوا بلکہ کفر وجحود کی وجہ سے ہوا جس میں انکارِ رسالت بھی داخل ہے جیسے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

من قبل منی الکلمۃ التی عرضت علیٰ عمّی فردھا

فھی لہ نجاۃ۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

''یعنی جو شخص مجھ سے اس کلمہ کو قبول کرلے جو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تو اس نے رد کر دیا پس وہ اس کیلئے سراسر نجات ہے۔''

علامہ علی بن السلطان القاری مرقات شرح مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۱۵ جلد ۱ پر فرماتے ہیں:

وھی کلمۃ الشھادۃ المعبر عنھا بالکلمۃ الطیبۃ۔

یعنی اس کلمہ سے مراد کلمہ شہادت ہے جس کو کلمہ طیبہ سے تعبیر کیا گیا ہے

وفد عبدالقیس کو خطاب کرتے ہوئے رسولِ محتشم ﷺ نے فرمایا:

اتدورون ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شھادۃ ان لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ کے ساتھ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اللہ وحدہٗ کے ساتھ ایمان لانا نام ہے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی گواہی دینے کا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری ص ۱۵۰ ج ۷ میں فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ نے جناب ابوطالب کو صرف لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہنے پر قیامت کے دن شفاعت کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کا حکم نہ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے، لان الکلمتین صارتا کالکلمۃ الواحدۃ، کہ یہ دونوں کلمات مل کر ایک کلمہ مانند ہو چکے ہیں یعنی لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ گویا صرف اسی شخص نے کہا ہے جس نے ساتھ

ہی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ بھی کہا ہے اور دل وجاں سے تسلیم کیا۔ علامہ علیہ قاری نے مرقات میں بھی متعدد مقامات پر اس تلازم پر تنبیہ فرمائی ہے بلکہ خود قرآن مجید اس پر شاہدِ صادق ہے، قال اللہ تعالیٰ:

وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ (الانعام:۹۱)

''اور انہوں نے نہیں قدر کی اللہ تعالیٰ کی جبکہ کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔''

لہٰذا جناب ابوطالب کے معاملہ میں اقرارِ رسالت کو نظر انداز کرنا اور انکارِ توحید کو انکارِ رسالت سے علیحدہ کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

نیز توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف نہ کرنے کے باوجود نبی اکرم ﷺ کا ان کو نفع پہنچانا ثابت ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول الله هل نفعت اباطالب شیئاً فانه کان یحوطك ویغضب لك۔

کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اور آپ کی وجہ سے لوگوں سے ناراض ہوا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان کو نفع پہنچایا ہے اس وقت آگ صرف اس کے ٹخنوں تک ہے اور اگر میں نہ ہوتا (اور ان کے حق میں شفاعت نہ کرتا) تو وہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

ولو لا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔

(بخاری علی حاشی الفتح ص ۱۴۸ جلد ۷)

لیکن اگر وہ دعوت قبول کر لیتے اور ایمان اختیاری کا برملا اظہار کر دیتے تو پھر کس قدر اجر و ثواب اور درجہ و مرتبہ نصیب ہو جاتا۔

## تنبیہ:

تفسیر ام المعانی والی روایت میں علی تقدیر الصحت اور بخاری شریف کی اس روایت میں کوئی تعارض اور تخالف نہیں کیونکہ اس میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر زندہ کئے جانے کا ذکر ہے اور ایمان لانے اور نجات پانے کا جبکہ وفات جناب ابو طالب کی ہجرت سے پہلے سال ہو چکی تھی لہٰذا عین ممکن ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سوال پہلے زمانہ سے متعلق ہو۔ واللہ رسولہٗ اعلم۔ (ماخوذ از گلشن توحید و رسالت ص ۱۲۷ تا ۱۶۲، جلد اول)

## مولانا شبلی نعمانی کا موقف

مولانا شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف "سیرت النبی" جلد اول میں حضرت ابو طالب سے متعلق بخاری شریف کی مشہور روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت عبداللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اسی بناء پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں کوئی فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو جانثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا،آپ کی خاطر محصور ہوئے،فاقے اٹھائے،شہر سے نکالے گئے،تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔کیا یہ محبت،یہ جوش یہ جانثاریاں سب ضائع جائیں گی؟(سیرت النبی جلد اول صفحہ ۱۶۹)

## دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا نظریہ

فرمایا میں حضرت ابوطالب کو بلالفظ حضرت کے ذکر نہیں کرتا۔صرف اس تلبس کی وجہ سے جو ان کو حضور پرنور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور اسی تعلق کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں گفتگو کرنے کو بہت خطرناک سمجھتا ہوں کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے لا تسبوا الاموات فتؤذوا الاحیاء اور ظاہر ہے کہ کسی کے والدین کو یہ کہنا کہ بدمعاش کافر تھے اس سے اولاد کو طبعی طور پر رنج ہوتا ہے۔اس قاعدہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رنج ہوتا ہوگا۔اور قرآن شریف میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ الآیۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے بارے میں بلاضرورت گفتگو کرنا باعثِ تاذّیِ رسول ہے۔

(الکلام الحسن ملفوظات مولوی اشرف علی تھانوی ص ۱۶،مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ،لاہور)

# گلہائے عقیدت

نذرِ محبوبِؐ خدا جانِ ابوطالب ہے
ساری دنیا پہ یہ احسان ابوطالب ہے
اللہ اللہ عجب شانِ ابوطالب ہے
حرمِ کعبہ ادب دانِ ابوطالب ہے
مصحفِ روئے محمدؐ ہے نظر میں ہر دم
مرحبا، خوب یہ قرآنِ ابوطالب ہے
اُن کی آغوش کی زینت ہیں علیؓ شیرِ خدا
نورِ احمدؐ تہِ دامانِ ابوطالب ہے
احترام اُن کا فرشتوں کی صفوں میں بھی ہوا
جس کو دیکھو وہ ثنا خوانِ ابوطالب ہے
مرتضیٰؓ ہوں کہ ہوں سبطینؓ سبھی پیارے ہیں
ہر کرن شمعِ شبستانِ ابوطالب ہے
اُلفتِ پنجتن پاکؓ نے بخشا یہ شرف
آج کل دل مرا مہمان ابوطالب ہے
چشمِ بیدار ملی، معرفت آگاہ نظر
درسِ حق خطبۂ عرفانِ ابوطالب ہے

میں دل و جاں سے ہوں مداح ابوطالب کا
جو نفس ہے وہی قربان ابوطالب ہے
ہر گل تر پہ نچھاور ہیں فلک کے تارے
پُر بہار ایسا گلستانِ ابوطالب ہے
قابل رشک ہیں انداز ابوطالب کے
حق کا عرفان ہی وجدانِ ابوطالب ہے
میں کہوں گا کہ ہے محروم بڑی نعمت سے
جو کوئی دستِ کش خوانِ ابوطالب ہے
بعد تحقیق احادیث و روایات نصیرؔ
میرا دل قائل ایمانِ ابوطالب ہے

(فیض نسبت پیر سید نصیر الدین نصیرؔ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ)

# حضرت ابوطالب

فدائے سیّدِ ہر دوسرا ابوطالب
نثارِ خواجۂ گلگوں قبا ابوطالب
نگارِ روئے نسیم ثناء ابوطالب
بہارِ گلشن مہر و وفا ابوطالب
ہوئے ولائے نبیؐ میں فنا ابوطالب
فنا میں پا گئے واللہ بقاء ابوطالب
سخن ورانِ زمانہ میں سب سے پہلے ہیں
شہِ مدینہ کے مدحت سرا ابوطالب
ہوئے ہیں کوکب تابندہ چرخِ الفت کے
وہ پاسبانِ حرم ماہِ لقا ابوطالب
نبی ہے مشعلِ راہ از برائے مشتاقاں
تیرے پیار کی پیاری ادا ابوطالب
رہے گا حشر تک ضوفشاں میرے دل میں
تمہاری یاد کا روشن دیا ابوطالب
فقط عوام ہی کیا کتنے اہل علم رہے
تمہاری شان سے نا آشنا ابوطالب
حسنؔ تھے پیکرِ اخلاص اہل ایماں میں
پدر علیؓ کے نبیؐ کے چچا ابوطالب

(لمحات ص ۱۸)

از استاد العلماء مولانا حسن دین ہاشمی (امریکہ) سابق شیخ الفقہ۔جامعہ عباسیہ بہاولپور

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِیًّا کَمُوْسٰی خُطَّ فِیْ اَوَّلِ الْکُتُبِ

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے اور یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی گئی تھی۔''

فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَیْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدًا
لِعِزَّ اٰمِنٌ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا کَرَبِ

''اس گھر کے رب کی قسم، ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ احمد کو تمہارے حوالے کردیں زمانے کی شدتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر۔''

وَ اَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی وَ عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

''وہ روشن چہرے والے جن کے چہرے کے وسیلہ سے بادل طلب کیا جاتا ہے وہ یتیموں کی پناگاہ اور بیواؤں کی آبرو ہے۔''